یا اللہ مدد

ابوبکر صدیق

عمر فاروق

عثمان ذوالنورین

علی المرتضیٰ

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض

تحریک خدام اہل سنت کا ترجمان نظام خلافت راشدہ کا داعی

ماہنامہ حق چاریار رضی اللہ عنہم لاہور

جلد نمبر ۳۳ شمارہ ۲ جمادی الآخری ۱۴۴۱ھ فروری 2020

◎

خدایا اہلِ سنت کو جہاں میں کامرانی دے خلوص و صبر و ہمت اور دیں کی حکمرانی دے

تیرے قرآں کی عظمت سے پھر سینوں کو گرمائیں رسول اللہ کی سنت کا ہر سو نور پھیلائیں

وہ منوائیں نبیؐ کے چار یاروں کی صداقت کو ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ کی خلافت کو

صحابہؓ اور اہلِ بیتؓ سب کی شان سمجھائیں وہ ازواجؓ نبیؐ پاک کی ہر شان منوائیں

حسنؓ کی اور حسینؓ کی پیروی بھی کر عطا ہم کو

تو اپنے اولیاء کی بھی محبت دے خدا ہم کو

صحابہؓ نے کیا تھا پرچم اسلام کو بالا انہوں نے کر دیا تھا روم و ایراں کو تہ و بالا

تیری نصرت سے پھر ہم پرچم اسلام لہرائیں کسی میدان میں بھی دشمنوں سے ہم نہ گھبرائیں

تیرے کُن کے اشارے سے ہو پاکستان کو حاصل عروج و فتح و شوکت اور دیں کا غلبۂ کامل

ہوا[1] یونہی تحفظ ملک میں ختمِ نبوت کو مٹا دیں ہم تیری نصرت سے انگریزی نبوت کو

تو سب خدام کو توفیق دے اپنی عبادت کی

رسولِ پاکؐ کی عظمت، محبت اور اطاعت کی

تیری توفیق سے ہم اہلِ سنت کے رہیں خادم ہمیشہ دینِ حق پر تیری رحمت سے رہیں قائم

نہیں مایوس تیری رحمتوں سے مظہرِ ناداں

تیری نصرت ہو دنیا میں قیامت میں تیری غفراں

---

[1] الحمد للہ! تمام مسلمانوں کا یہ متفقہ مطالبہ منظور ہو چکا ہے اور آئینِ پاکستان میں قادیانی اور لاہوری مرزائیوں کے دونوں گروہوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا ہے۔

2
یا اللہ مدد
اصلی کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ
تحریک خدام اہل سنت کا ترجمان نظام خلافت راشدہ کا داعی
خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ
ماہنامہ حق چاریار رضی اللہ عنہم لاہور
خلیفہ ثالث سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ
خلیفہ رابع سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
جلد 33 شمارہ 2- جمادی الاخریٰ ۱۴۴۱ھ، فروری 2020ء
جاری کردہ
قائد اہل سنت وکیل صحابہ ؓ مظہر شریعت وطریقت
حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب
بانی تحریک خدام اہل سنت پاکستان
زیر نگرانی
جانشین قائد اہل سنت
حضرت مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر مدظلہ
امیر تحریک خدام اہل سنت پاکستان
مدیر مسئول
حافظ محمد مسعود صاحب
نائب مدیر
ماسٹر منظور حسین صاحب
قاضی طاہر حسین جرار صاحب 0333-5783036
بدل اشتراک
اندرون ملک: فی پرچہ 35 روپے سالانہ چندہ 350 روپے
بیرون ملک: مشرق وسطیٰ 85 ریال ○ امریکہ و یورپ ○ برطانیہ 20 پونڈ
رابطہ
دفتر ماہنامہ حق چاریار ؓ متصل جامع مسجد میاں برکت علی
مدینہ بازار، ذیلدار روڈ اچھرہ لاہور
0322-4135093
0302-4166462
042-37427872
پبلشر حافظ محمد مسعود نے افضل شریف پرنٹرز سے چھپوا کر ذیلدار روڈ اچھرہ لاہور سے شائع کیا۔

فہرست مضامین

اسلام میں حفاظت جان اور اس کی قدر و قیمت

حضرت مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر مدظلہ ☆

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے ہر ہر شعبۂ میں انفرادی ہو یا اجتماعی ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اسلام ایک طرف اخلاقی تعلیم دیتا ہے اور انسان مین انسانیت پیدا کرنے کی مسلسل جدو جہد کرتا ہے اور دوسری حدود قائم کرتا ہے اور اس میں کسی کی کوئی رعایت نہیں کرتا۔ تاکہ خدا کی مخلوق اطمینان وسکون کی زندگی بسر کر سکے اور روئے زمین پر انسانوں کی بستیاں ظلم وجور سے محفوظ رہ سکیں۔

اسلام میں حفاظت جان اور اس کی قدر و قیمت

دنیا میں سب سے زیادہ قابل حفاظت انسانی جان ہے غریب ہو یا امیر، بادشاہ ہو یا گدا، بچہ ہو یا جوان، مرد ہو یا عورت، شہر کا رہنے والا ہو یا دیہات کا باشندہ، تعلیم یافتہ ہو یا جاہل، پھر وہ اونچے خاندان کا چشم و چراغ ہو، یا محتاج و دست نگر گھرانے کا، مسلم ہو یا غیر مسلم ہر ایک کو ایک وفادار شہری کی حیثیت سے حق حاصل ہے کہ وہ ملک میں آزادی کے ساتھ رہے۔ آسودہ زندگی گزارے اور ہر خطرہ واندیشہ سے اس کا دل مطمئن ہو۔ اسلام سے پہلے قتل وخون ریزی عام تھی۔ عرب میں بچیاں زندہ درگور کر دی جاتی تھیں۔ بچے فاقہ کے خطرہ سے قتل کر دیئے جاتے تھے اور صرف یہی نہیں بلکہ ذرا سی بات پر خاندان کا خاندان کٹ مرتا تھا۔ اسلام نے ان لوگوں کو بختی کے ساتھ بچوں کے قتل سے روکا۔ اور فقر و فاقہ ''آبادی کا اضافہ'' کا جو شیطانی وسوسہ ان کے دلوں پر مسلط تھا دور کیا اور ان کو یقین دلایا کہ ساری مخلوق کا رزق رب العالمین کے ذمہ ہے اور ہر ایک کی روزی کا سامان وہی کرتا ہے۔ ''وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا'' (ھود) اور زمین پر کوئی ذی روح چلنے پھرنے والا ایسا نہیں جس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو۔ دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَلَا تَقْتُلُوْآ

☆ امیر تحریک خدام اہل سنت والجماعت، پاکستان 0453-543444

اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ (الانعام) اور تنگدستی کے سبب سے اپنی اولاد کو قتل نہ کیا کرو۔ ہم ہی تم کو بھی روزی دیتے ہیں اور ان کو بھی۔ تیسرے مقام پر ارشاد فرمایا: وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ (بنی اسرائیل) اور اپنی اولاد کو محتاجی کے خوف سے قتل نہ کیا کرو۔ ہم ہی ان کو بھی روزی دیتے ہیں اور تم کو بھی۔

عرب میں قتل اولاد کی بنیادی وجہیں دو تھیں۔ ایک افلاس یعنی جو کوئی مفلس ہوتا وہ بچہ کو قتل کر دیتا کہ ہم تو خود پریشان حالی سے زندگی گزارتے ہیں اس کی پرورش کس طرح ہو پائے گی۔ دوسرے افلاس کا خطرہ یعنی وہ شخص بھی بچوں کو قتل کر دیا کرتا ہے۔ جو خود کھاتا پیتا ہوتا۔ مگر اس کو محض یہ اندیشہ ہوتا کہ کہیں بچوں کے بڑھ جانے سے فقر و فاقہ کی نوبت نہ آ جائے۔ جیسا کہ ہمارے اس زمانہ میں بھی عام طور پر روشن خیال حضرات سوچنے لگے ہیں۔

قتل ناحق کی حرمت

قرآن نے جہاں حرام کاموں کی تفصیل بیان کی ہے وہاں ان حرام کاموں میں قتل ناحق کو بھی شمار کیا ہے وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (الانعام) اور کسی ایسے شخص کو قتل نہ کرو، جس کے قتل کو اللہ نے حرام کیا ہو۔ مگر ہاں کسی حق شرعی کی بنا پر۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کا خدا نے تم کو تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھ سے کام لو۔

مقتول کے وارث شرعاً قصاص کا اختیار رکھتے ہیں: وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّى الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا (بنی اسرائیل) اور جو شخص ظلم میں مارا جائے ہم نے اس کے وارث کو غلبہ دیا ہے تو اس کو چاہیے کہ وہ قتل میں (یعنی بدلہ لینے میں) زیادتی نہ کرے بلاشبہ اس کی مدد کی گئی ہے......یعنی جو شخص ناحق قتل کیا جائے تو اس کے وارث کو قصاص لینے کا شرعاً اختیار دیا ہے......اسلام کے قانون میں (قصاص) رحم و کرم کی گنجائش ہے مگر یہ مقتول کے ولی کی صوابدید پر موقوف ہے۔ اگر وہ بخوشی قاتل کو معاف کر دے اور قصاص کی جگہ دیت کو قبول کر لے یا سرے سے قاتل کو معاف کر دے، نہ قصاص لے اور نہ دیت تو اس صورت میں قاتل کی جان بخشی ہو سکتی ہے۔

قصاص صحابہ کرامؓ کی نظر میں

احادیث نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ جب جرم ثابت ہو جائے تو پھر اس سلسلہ میں سفارش یا کسی اور ذریعہ سے اجراء قصاص کو روکنے کی سعی نہیں کرنی چاہیے حضرت سعید بن المسیبؒ بیان کرتے ہیں کہ صنعا میں ایک شخص کو کئی آدمیوں نے قتل کر ڈالا۔ تفتیش سے سات آدمی مجرم ثابت ہوئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ان ساتوں کو قتل کر ڈالا اور فرمایا۔ اگر تمام اہل صنعا اس جرم میں شریک ہوتے تو اس ایک شخص کے بدلے میں تمام کو قتل کر ڈالتا۔ (موطا امام مالکؒ) اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ جان کی حفاظت کے سلسلہ میں حکومت کے کیا فرائض ہیں۔

عدم قصاص کا انجام

ہمارے دور میں کئی بے قصور جانتیں تہ تیغ ہوتی رہتی ہیں مگر کوئی قاتل سے نہیں پوچھتا کہ تو نے یہ جرأت کیوں کی اور اسی کا نتیجہ ہے کہ قتل وخون ریزی کی وارداتیں دن بدن بڑھتی ہی جارہی ہیں۔

قانون اسلام میں مساوات

اسلام کے قانون میں امیر وفقیر سب برابر ہیں جو بھی جرم کا مرتکب ہوگا سزا پائے گا۔ اس قانون میں اس کی ہرگز گنجائش نہیں ہے کہ کوئی شریف یا مشہور خاندان کا فرد جرم کرے تو اسے معاف کر دیا جائے اور غریب ونادار کرے تو اسے شکنجے میں کس دیا جائے۔ بلکہ جس جرم کی سزا حق تعالیٰ کی طرف سے متعین ہے سب کے لیے ہے عہد نبوی کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ ایک دفعہ ایک مخزومیہ عورت نے چوری کی اور اس کی چوری ثابت ہوگئی تو قریش پر طبعی طور پر یہ گراں گزرا کہ ایک نامی گرامی خاندان کی خاتون کا ہاتھ اس جرم میں کاٹا جائے اس لیے کہ اس سے پورے قبیلہ کی توہین ہوتی تھی چنانچہ انہوں نے یہ طے کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر کے دیکھا جائے کہ اس کے بچنے کی کوئی صورت ہے یا نہیں۔ مگر صحابہ کرامؓ بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج شناش تھے اس لیے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ اس سلسلہ میں آپ سے گفتگو کرے۔ سب نے مل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لاڈلے حضرت اسامہؓ بن زید کو اس کے لیے تیار کیا کہ وہ خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اس سلسلہ میں بات کریں لوگوں کے مشورہ کے مطابق حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ترجمانی کی اور اس

مخزومیہ عورت کے سلسلہ میں بات کی۔ یہ سننا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا اور ارشاد فرمایا: اے اسامہ! تم اللہ کی مقرر کردہ حدود میں سے ایک حد میں سفارش کے لیے حاضر ہوئے ہو پھر آپ نے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ بنی اسرائیل صرف اس وجہ سے تباہ و برباد ہوئے کہ انہوں نے باہم امتیازی سلوک برتنا شروع کر دیا تھا ان میں سے کوئی شریف چوری کرتا تھا تو لوگ اسے چھوڑ دیا کرتے اور حد قائم نہیں کرتے تھے اور کوئی کمزور چوری کا مرتکب ہوتا تو اس پر حد جاری کرتے تھے۔ پھر اس کے بعد آپ نے فرمایا: خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کا بھی میں ہاتھ کاٹتا۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کا رنگ دیکھ کر حضرت اسامہ کانپ گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ میرے لیے مغفرت کی دعا فرما دیجیے اور اسی پر بس نہیں ہوا۔ بلکہ آپ نے بلا رد رعایت اس عورت کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حسب ضابطہ اس کا ہاتھ کاٹا گیا۔

اسلام کا قانون مساوات

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اقیموا حدود الله فی القریب ولبعید ولا یاخذکم فی الله لومة لائم (مشکوٰۃ کتاب الحدود) اللہ کی حدیں بلا تمیز، دور و نزدیک سب پر جاری کرو اور اس سلسلہ میں تم کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ مت کرو...... چنانچہ غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ صحابہ کرامؓ کی صفوں کو درست فرما رہے تھے آپ کے دست مبارک میں تیر تھا جس سے آپ اشارہ کرتے جاتے تھے صف سیدھی کرتے ہوئے جب آپ سواد بن غزیہ کے پاس آئے تو وہ صف کی سیدھ سے نکلے ہوئے تھے...... آپ نے اس کے پیٹ کو تیر سے چوکا دیا اور فرمایا: اے سواد برابر ہو جاؤ۔ سواد بول اٹھے یا رسول اللہ آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ آپ سے بدلہ لوں۔ یہ سنتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے اپنا شکن مبارک کھول دیا۔ اور فرمایا بدلہ لے لو۔ حضرت سواد رضی اللہ عنہ نے دیکھ کر شکم مبارک کو چوم لیا۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص انصاف کی کرسی پر بیٹھ کر انصاف سے گریز کرے اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتے اور تمام انسانوں کی لعنت ہو (کتاب الترغیب والترہیب لابن حجر)

فیوضاتِ مظہرؒ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قرآنی و ایمانی صفات

قائد اہل سنت وکیلِ صحابہؓ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ☆

درسِ قرآن: ۱۱ر شوال ۱۳۹۸ھ ربمطابق ۱۵ر ستمبر ۱۹۷۸ء	ضبط و ترتیب: ماسٹر منظور حسین

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم○ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ○ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ○ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ○ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ○ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ○ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ ○ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ (الیوسف: ۸۹ تا ۹۸)

ترجمہ: ’’فرمایا حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے، کہا کیا تم جانتے ہو، جو تم نے کیا تھا جب تم بے سمجھ تھے۔ کہنے لگے وہ کیا آپ ہی ہیں یوسف؟ فرمایا ’’انا یوسف‘‘ میں ہی ہوں یوسف، اور یہ ہے بھائی میرا۔ بیشک اللہ نے ہم پر احسان فرمایا۔ بے شک جو شخص بھی اللہ سے ڈرتا ہے، اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔ کہنے لگے وہ، قسم ہے اللہ کی، بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر فوقیت دے دی ہے اور بے شک ہم تھے خطاء کرنے والے۔ فرمایا آج تم پر کوئی الزام نہیں، بخشے اللہ تم کو، ’’وھو ارحم الرحمین‘‘

☆ بانی تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان، خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ لے جاؤ میری اس قمیص کو، پس ڈالو اس کو میرے ابا جان کے چہرے پر تو وہ دیکھنے والے ہو جائیں گے اور تم میرے پاس سب اپنے گھر والوں کو لے آؤ۔ جب وہ قافلہ وہاں سے جدا ہوا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ بے شک مجھے تو حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو آ رہی ہے اگر تم (مجھ کو بڑھاپے میں بہکی باتیں کرنے والا) نہ سمجھو۔ کہنے لگے قسم ہے اللہ کی آپ تو اسی خیال میں ہیں، پس جب بشارت دینے والا آپ کے پاس آیا، اور اس قمیص کو آپ کے چہرے پر ڈالا تو پھر ہو گئے وہ دیکھنے والے۔ فرمایا حضرت یعقوب علیہ السلام نے کیا میں نے نہیں کہا تھا تم کو، کہ بے شک میں جانتا ہوں وہ کہ جو تم نہیں جانتے؟ کہا انہوں نے اے ابا جان ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی بخشش کی دعا کریں بے شک ہم تھے خطاء کار۔ فرمایا عنقریب میں تمہارے لیے اپنے ربّ سے بخشش مانگوں گا۔ بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے، بہت رحم کرنے والا ہے۔‘‘

○...... برادرانِ اہلسنت، والجماعت! یہ دو معصوم پیغمبروں کا واقعہ ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام باپ ہیں، وہ بھی پیغمبر ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام ان کے بیٹے ہیں اور وہ بھی پیغمبر ہیں اور یہ واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے ماتحت اکٹھا ایک سورت میں بیان فرما دیا، اور جتنے پیغمبروں کے واقعات ہیں، وہ مختلف جگہوں میں پھیلے ہوئے ہیں، اس کے لیے مستقل سورت ہے۔ نام بھی سورت یوسف علیہ السلام ہے۔ قرآن مجید میں جو حکایتیں یا قصے اور واقعات ہیں، تو ان کا مقصد یہ نہیں کہ جس طرح عام لوگوں میں رواج ہوتا ہے بھئی ایک مشغلہ کے تحت کہانی شروع کر دی۔ وقت گذارنے کے لیے۔ وہ تو ہے ناں صرف نفس کی لذت، خواہش اور قرآنِ مجید کا اصل مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ہدایت دینا، ان کی اصلاح فرمانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کوئی قصہ اس لیے نہیں بیان کرتے کہ لوگ قصہ سن لیں۔ اس میں کچھ دین کی نصیحتیں ہوتی ہیں، دین کے احکام ہوتے ہیں۔ تو جہاں بھی کسی پیغمبر علیہ السلام کا واقعہ قرآن مجید میں آپ پڑھیں تو اس سے دین سیکھیں۔ اس سورت میں کتنی حکمتیں، کتنی اصول، کتنے اوصاف انبیائے کرام علیہم السلام کے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمائے ہیں، اسلام کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ جو چاہے کر سکتا ہے اللہ کو اس طرح ماننا ہے کہ جو چاہے کر سکتا ہے وہ قادر، قدیر ہے۔ یہ اس کی صفت ہے مخلوق میں اور کوئی ایسا نہیں ہے تو اللہ کے پیارے بھی ایک کام چاہتے ہیں لیکن وہ ہوتا نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ حکمت والا ہے۔ حکمت کا معنیٰ دانائی

ہوتی ہے۔ ایک دانائی مخلوق کے اعتبار سے ہے کہ فلاں آدمی بڑا دانا، عقلمند ہے۔ مخلوق کے اعتبار سے انسان کی عقل کی حد ہے، اصل عقل اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے انبیائے کرام علیہم السلام کو عطا فرماتے ہیں۔ نبی کریم رحمۃ للعالمین خاتم النبین، شفیع المذنبین ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو عقل عطا فرمائی ہے سب سے زیادہ صحیح، کامل سورج کی طرح، اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو عطا فرمائی۔ ہر اعلیٰ صفت، انسان کی جس کی وجہ سے انسانیت کی تکمیل ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسولِ پاک ﷺ کو سب سے اعلیٰ اور افضل عطا فرمائی ہے۔ اسی طرح درجہ بدرجہ ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے ساری امت میں سے اعلیٰ عطا فرمائی لیکن یہ تو ہے انسان کی عقل، دانائی، سمجھ، ایک ہے اللہ کا علم اور اس کی حکمت، کہ وہ کتنا جانتا ہے اور وہ کتنا سمجھتا ہے۔ اس کو حکمت کہیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کی ساری صفتیں جو ہیں۔ الفاظ تو وہی ہوں گے جو ہمارے لیے استعمال ہوتے ہیں لیکن اس کی حقیقت جو ہوگی، اس کی شان کے لائق ہوگی۔ انسان بھی حکمت سے، سمجھ دانائی سے کام لیتا ہے جتنی اس کی حد ہے، خداوندِ عالم کی صفت جو ہے اس کی کوئی حد نہیں تو مطلب یہ ہے کہ جس طرح اُس کی قدرت ہے ناں۔ جو چاہے کرسکتا ہے، لیکن کرتا وہ کام ہے حکمت سے، بلا حکمت نہیں کرتا۔

تو حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام دو پیغمبر ہیں، اللہ نے دونوں کے لیے امتحان اور آزمائش رکھ دی اور اس میں اس کی حکمتیں ہیں ان آیات میں اس بات کا ذکر ہے کہ جب آپ کے بھائی آخر میں گئے اور آپ نے ان کو جتلا دیا۔ فرمایا، بھئی! تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا، کیا تھا؟ اب وہ حیران ہیں یہ تو مصر کا بادشاہ ہے ان کو پتہ ہی نہیں ہے ناں یہ وہی بھائی ہے۔ جس کو کنوئیں میں ہم ڈال کر آئے تھے اور پھر ہم نے قافلے کے ہاتھ بیچا تھا، حضرت یوسف علیہ السلام تو جانتے تھے۔ ان کو خیال، وہم بھی نہیں تھا کہ یہ وہی ہمارا بھائی ہے، جس کو اللہ نے کنوئیں سے نکال کر تخت پر بیٹھا دیا۔ اب یہ واقعہ تو مصر میں کسی اور کو تو معلوم ہی نہیں تھا۔ اب اُن کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا، پوچھا "لَاَنْتَ يُوسُفُ" آپ ہی ہیں یوسف علیہ السلام؟ انہوں نے کہا میں ہی ہوں اور یہ دوسرا میرا بھائی ہے۔ جس کو تدبیر سے رکھ لیا تھا، جس کا نام بنیامین "قَالَ اَنَا يُوسُفُ وَ هٰذَآ اَخِيْ" میں تو یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اب کوئی دنیا دار آدمی ہوتا تو وہ کہتا کہ میں وہ ہوں جس کے ساتھ آپ نے یہ کیا، لیکن اللہ کے پیغمبر ہیں، ہادی ہیں، اس لیے فرماتے ہیں "قَدْ مَنَّ اللّٰهُ

عَلَيْنَا ‘‘ اللہ نے ہم پر احسان فرمایا۔ اب وہ بات بھول جاؤ، تم نے کیا کیا؟ میرے ساتھ کیا ہوا؟ دیکھو کیسی بات ہے، دنیا دار تو ایسے نہیں کرتے، دنیا دار ہوتا تو اسی وقت گھسیٹتا، یہ فرق ہوتا ہے دنیا پرست میں اور خدا پرست میں۔ یہ واقعات اس لیے اللہ تعالیٰ پیغمبروں کے بیان کرتے ہیں کہ دشمن اگر مغلوب ہو جائے اس پر تم قابو پالو تو تم کیا کرو گے؟ پھر وہ تو بھائی تھے۔ اللہ جتنا اقتدار و اعزاز عطا فرمائے سمجھے کہ یہ اس کا فضل اور احسان ہے، میں کچھ نہیں۔ اس لیے فرمایا ’’قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ‘‘ اللہ نے ہم پر یہ احسان کیا۔ میں مصر کے تخت پر ہوں، پہلے کیا نقشہ تھا، اب کیا نقشہ ہے؟ جو شخص بھی تقویٰ اختیار کرے، اللہ سے ڈرے، پرہیز گار بن جائے، مصیبت میں صبر کرے۔ دونوں چیزیں ہیں ناں، نیک پرہیز گار بنے، مصیبتیں آئیں تو پھر حوصلے سے برداشت کرے، جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ مصیبت برداشت کی، تو اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کی محنت ضائع نہیں کرتا۔ معلوم ہوا کہ مصیبت جو ہے یہ ضائع نہیں ہوتی۔ صورت، شکل کے لحاظ سے وہ مصیبت ہوتی ہے۔ لیکن اللہ کی حکمتوں پر نظر رکھے تو سمجھے کہ اس میں کوئی اللہ کی رحمت ہے، میں اس مصیبت میں اس رحمت کو حاصل کروں۔ تو اس لیے فرمایا کہ جو آدمی متقی بن جائے۔ یعنی ہر حال میں اللہ کی تابعداری کرے، پھر دکھ مصیبت میں صبر کرے، ماتم پیٹنا نہیں۔ صبر کرے، صبر کا معنی کیا ہوتا ہے؟ کچھ بھی ہو حوصلے سے اس کو برداشت کرے، تو پھر اس مصیبت میں اس کو جو اجر ملے گا۔ وہ ضائع نہیں ہوگا، تو مصیبت مومن کے لیے ہر لحاظ سے تو مصیبت نہ ہوئی۔ جب ربّ مل گیا، اللہ کی رحمتیں مل گئیں تو وہ مصیبت کہاں رہی؟ بس اسلامی اور غیر اسلامی زندگی کا یہی فرق ہے۔ اسلام کے تحت زندگی گزارنے والے کو نعمت ملے، عزت ملے، شکر ادا کرے گا اور زیادہ اللہ کی تابعداری کرے دنیا دار اور زیادہ بگڑے گا۔ دنیا دار کو کچھ عزت، پیسہ مل جائے تو اس کی ہوا ہی اور ہے۔ اللہ والے کو ہو تو وہ تو ڈرتا ہے، یا اللہ! میں اس کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ یہ بھی تیری آزمائش ہے۔

○......’’قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا ‘‘ اب اُن کا دل صاف ہو گیا، غلطی ہوگئی۔ جس طرح قرآن مجید میں تذکرہ ہے، مقصد یہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نگاہ ان پر زیادہ ہے یہ زیادہ پیارے ہیں، ہم پیارے نہیں، نیت ٹھیک تھی، طریقہ غلط تھا۔ تو اب وہ بھی یہ نہیں کہ ہم نے ٹھیک کیا تھا۔ کیا ہوا تجھ کو بادشاہی مل گئی ہے، پھر بھی بھائی ہیں ناں؟ دنیادار تو پھر بھی طعنے دیتا ہے۔ نہیں،

انہوں نے کہا، بھئی! اللہ نے آپ کو ہم پر فوقیت دی ہے، ہم آج آپ کے محتاج بن گئے، غلہ لینے آئے تھے، معلوم ہوا کہ بھئی آدمی اکڑے نہ۔ غلطی قصور کو مان لے۔ اگر دوسرے کو اللہ نے زیادہ عزت دی ہے تو حسد نہ کرے بلکہ مان لے کہ اللہ نے اس کو ہم سے زیادہ دے دیا ''وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ '' بے شک ہم خطا کار تھے۔ قصوروار خطاء کا اقرار جو ہوتا ہے یہی بات اللہ کو پسند ہوتی ہے۔ التائب من الذنب کمن لا ذنب له ایک حدیث ہے نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں ''جو آدمی گناہ سے توبہ کرنے والا ہے وہ ایسا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔'' توبہ کی توفیق بھی کسی کو ملتی ہے، ورنہ نفس غالب ہو تو وہ چاہتا ہی نہیں ہے کہ توبہ کرے۔ یہ نفس کی ساری خرابیاں، شرارتیں ہوتی ہیں ناں؟ سمجھتا ہے کہ گناہ ہے پھر بھی معافی نہیں مانگتا، تو یہ تکبر ہوتا ہے۔ خدا سے دُوری کی نشانی ہوتی ہے۔ نفس پرستی، تو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے صاف طور پر اقرار کرلیا کہ ہم نے خطاء کی، ہم خطا کار ہیں اللہ نے آپ کو مقام دے دیا۔ تو ان کی یہ بات اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اس لیے بیان فرمائی کہ ہم ان سے سبق سیکھیں، اپنی غلطی، قصور مان لیں۔ تو گویا وہ غلطی اب اللہ کے دفتروں میں ختم ہوگئی۔ اسی کو حضور ﷺ نے فرمایا کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے گویا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ بھائی! داغ دھبہ، کپڑے پر لگا ہے، اچھی طرح صاف کردو تو گویا کہ ہے ہی نہیں، بعض دفعہ ایسا کپڑا صاف ہوتا ہے آدمی کہتا ہے کہ یہاں تو کوئی داغ تھا ہی نہیں۔ تو انسان بھی صفائی کرلیتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی کے گناہ کو معاف کردے تو وہاں نشان کیسے رہ سکتا ہے؟ اس لیے کہ حضور ﷺ کا ارشاد بالکل برحق ہے کہ جو دل سے اپنے گناہ، قصور سے توبہ کرلے، گویا اب اس کا حال یہ ہے کہ اس کا گناہ ہے نہیں۔ یہ اس کی رحمت ہے، اور اقرار نہ کرو گے ضد کرو گے تو گناہ بڑھے گا۔ جس طرح حدیث میں ہے رسولِ پاک ﷺ فرماتے ہیں کہ جب آدمی کوئی گناہ کرتا ہے، اس کے اثر سے دل کے اندر سیاہ نقطہ پیدا ہوجاتا ہے توبہ کرتا ہے تو وہ دُھل جاتا ہے، نہیں توبہ کرتا اور گناہ کرتا ہے، دوسرا نقطہ ہوجاتا ہے اور کرتا ہے تو تیسرا پھر جس طرح شیشہ سارا کالا سیاہ ہوجائے اس طرح اِس کا دل سیاہ ہوجاتا ہے۔ آدمی کو تو احساس نہیں ہوتا، ہر نیکی کا اثر ہے کہ نور پیدا ہوتا ہے، گناہ کا اثر ہے کہ ظلمت پیدا ہوتی ہے، اس لیے نیکی کے لیے محنت کرتا رہے اور گناہ سے بچنے کے لیے کوشش کرتا رہے اور روزانہ توبہ استغفار کرتا رہے تاکہ آدمی کا دل صاف ہوتا رہے، جس

طرح آئینہ، کپڑے صاف کرتے ہیں برتن صاف کرتے ہیں، ظاہری چیزوں کو صاف کرتے ہو، سنوارتے ہو، مگر اپنے آپ کو پاک نہیں کرتے۔

○...... "قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ" فرمایا حضرت یوسف علیہ السلام نے، آج میری طرف سے تم پر کوئی الزام نہیں، کوئی ملامت ہی نہیں۔ سبحان اللہ! یہ انبیائے کرام علیہم السلام کے اخلاق ہیں، ناں۔ دیکھو ناں! انہوں نے کیا کیا؟ اس سے زیادہ کیا ہوسکتا ہے، کنوئیں میں پھینک دیا۔ آگے دیکھا بچ گئے ہیں۔ سستے داموں پر بیچ دیا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام جو سب کچھ کر سکتے تھے انہوں نے کیا فرمایا؟ آج میری طرف سے تم پر الزام ہی نہیں ہے، میں کہتا ہی نہیں، کہ تم نے یہ کیا یہ کیا؟ اُس وقت تو صرف کہا بھئی! تم نے کیا کیا تھا؟ تاکہ یہ یاد کریں اور میری طرف ان کو کچھ توجہ ہو "لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ" آج میری طرف سے تم پر کوئی گرفت الزام نہیں "يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ" اللہ تمہارے قصور کو معاف فرمائے اور وہ "ارحم الرحمین" ہے وہ معاف کرنے والا ہے۔

○...... یہ تو حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ہے ناں، ایک واقعہ ہے سرورِ کائنات محبوبِ خدا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ جب ہجرت کے آٹھ سال بعد مکہ فتح ہوا، یہ واقعہ سنی مسلمان پڑھا کرو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات جو ہیں جس کو سیرت کہتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال جو ہیں جس کو شرعی اصطلاح میں سنت کہتے ہیں۔ جب ہمارا عقیدہ یہی ہے کہ سب سے اعلیٰ، وہی نمونہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (احزاب:۲۱) ایک تو ہے بھئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بہترین نمونہ ہے، یہ تو حق ہے "اسوہ" اس کو کہتے ہیں کہ جس کی پیروی دوسرے کے لیے ضروری ہو۔ اسوہ اس صفت اور کمال کو کہتے ہیں کہ جس کی پیروی دوسروں پر لازم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" اے ایمان والو! تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر بہترین نمونہ، پیروی کے لیے موجود ہے۔ ہم اسی طرح کرنے کی کوشش کریں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ دشمنوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ یہ سارے زندگی کے موڑ ہیں۔ تو یہ وہ لوگ ہیں، مکی برادری، قریش، اکھڑ قوم، سخت قومیں یا سخت آدمی انتقامی ہوتے ہیں، اسلامی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ہر آدمی اپنی عادت کو، اپنی طبیعت کو شریعت کے تابع کر لے، اگر مزاج میں سختی ہے تو اس سختی پر قابو کر کے اس سے سخت کام نہ کرائے جو ناجائز ہو۔ جب آدمی

اسلام پر آتا ہے تو پھر جو بھی ربّ نے اس کی طبیعت بنائی ہے اس کو وہ شریعت کے تابع کر لے۔ یہی امتحان ہوتا ہے۔ پھر اللہ کے لیے سختی ہو، اللہ کے لیے نرمی ہو۔ نفس کے لیے نہ ہو۔

○......حضرت عمر فاروق، فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ، اسلام سے پہلے مخالف تھے، جس طرح دوسرے قوم کے بڑے بڑے سردار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سُن کر مخالف تھے، اسی طرح حضرت فاروق رضی اللہ عنہ بھی بہت بڑے پہلوان تھے، معزز آدمی تھے، مخالف تھے، یہاں تک مخالف تھے کہ جب ابوجہل نے نعوذ باللہ دارالندوہ میں مشورہ لیا کہ اب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا کریں؟ اسلام تو بڑھ رہا ہے، جو مسلمان ہوتا ہے وہ تو پھر، ہم جو کچھ بھی کریں باز نہیں آتا۔ اس لیے کہتا ہوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسلام سامنے رکھو، ہمارا کیا ہے؟ ہمارا اسلام تو مرضی کا ہے۔ پیسہ ملے تو ہمارا اسلام بدل جائے۔ مصیبت نظر آئے تو ہمارا اسلام بدل جائے، ہمارا حال ہے بھی یہی ناں؟ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے فیض پانے والوں کے سینے میں جو اللہ نے ایمان رکھا، سمجھ لیا کرو، لفظ تو ایک ہی ہوگا، ہمارے سینے میں جو یقین عقیدہ ہے وہ بھی ایمان ہے، فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے سینے میں جو بھی ایمان یقین تھا وہ بھی ایمان ہے، لیکن وہ ایمان اور ہمارا ایمان، اس میں زمین آسمان سے زیادہ فرق ہے، کوئی نسبت ہی نہیں، لفظ تو ایمان ہی ہے اور ہم بھی مومن، وہ بھی مومن، ہم بھی مسلم، وہ بھی مسلم، لیکن ہم کیسے؟ وہ کیسے؟ یہ فرق ہے۔

تو ابوجہل نامراد نے کہا کہ کوئی ہے تم میں نوجوان جو نعوذ باللہ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک قلم کر کے میرے پاس لے آئے؟ اب دیکھو ناں! انسان کو پتہ نہیں ہوتا کہ اُوپر کوئی خدا بھی ہے۔ اقتدار، حکومت مل جائے تو وہ کہتا ہے جو میں چاہوں گا کرلوں گا۔ ابوجہل کی نگاہ اس میں تھی کہ طاقت میری، میری قوم میرے ساتھ۔ یہ بیچارے تھوڑے، کوئی غرایب ساتھ مل گئے۔ کچھ امیر ہیں بھی تو وہ ساری برادری اُن کے خلاف ہوگئی۔ آزمائش، اس نے کہا کوئی اٹھو نوجوان، کام ختم کرو، کتنا بگڑا ہوا ہے؟ اب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی اس مشورے میں بیٹھے ہوئے ہیں، انہوں نے کہا، یہ تو میں کرتا ہوں۔ کتنے بہادر ہوں گے؟ بھئی کسی کی جان لینا جو ہے، وہی لیتا ہے جو دینے کے لیے تیار ہو۔ تلوار لی اور سیدھے چلے۔ اس میں بھی اللہ کی حکمت تھی، یہ تو ایک ظاہری سبب بن رہا تھا، ادھر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہوچکی تھی، کہ یا اللہ میرے مقابلے میں دو زبردست آدمی ہیں ان میں سے ایک کو تو ایسا اسلام دے کہ اسلام کا غلبہ اس کے ذریعہ ہوجائے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس تلاش میں رہتے تھے کہ میرے

ساتھ ایسے آدمی ملیں کہ جن سے عالم اسباب میں اسلام کو طاقت ہو، ابوجہل، عمرو ابن ہشام ایک تھا، اور ایک یہ تھے بڑے جری پہلوان، شاہ زور، تو حضور ﷺ نے فرمایا: ایک ہشام کا بیٹا ہے اور ایک خطاب کا بیٹا ہے۔ یہ دونوں ہی راستے میں بڑی رکاوٹ ہیں۔ اب حضور ﷺ کی زبان مبارک سے دعاء بھی اللہ نے نکلوائی ناں، کیونکہ ایک کی قسمت میں ایمان تھا۔ ابوجہل کی قسمت میں تھا ہی نہیں۔ اس لیے حضور ﷺ کی زبان سے یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ یا اللہ! دونوں کو مسلمان بنا؟ لیکن وہ تو اللہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے زبان، ماینطق عن الھوٰی ان ھو الاوحی یُوحیٰ تو فرمایا اے اللہ! ان دو میں سے ایک کے ذریعہ یہ الفاظ نہیں کہ وہ صرف مسلمان ہو جائے نہیں، بلکہ اعزہ الاسلام بعھد عمرین دو عمر ہیں ان میں سے ایک کے ذریعہ اسلام کو غلبہ اور شوکت عطا فرما، گویا ان دو میں سے صرف ایک کے لیے ایمان لانے کے لیے دعاء۔ اور پھر صرف ایمان لانے کے لیے دعا نہیں ہے، یا درکھو! دعا یہ ہے کہ اس کو ایسا اسلام ملے کہ جس کے اسلام سے دین کو طاقت ملے۔ سبحان اللہ! کیسی دعا ہے؟ اب تقدیر کس کے حق میں تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ تیار ہو گئے، اللہ نے ہدایت دے دی۔ جو چاہے کرسکتا ہے۔ لمبا واقعہ ہے، کئی دفعہ سُن چکے ہو۔ اپنی بہن کو بھی اتنا مارا، تھک گئے۔ یعنی کس قدر طبیعت میں سختی تھی لیکن جب اللہ نے اسلام کا نور سرکارِ دو عالم ﷺ کی دعا سے پیدا فرمایا، نور بھی وہ کہ اُس نورِ ایمانی کو دیکھ کر شیطان بھی ڈرتا ہے، جب مسلمان ہوئے، اب اندازہ فرمائیں وہ جو ایک اندر سختی تھی ناں، مزاج کا جلال تھا۔ پہلے تو اسلام کے خلاف استعمال ہو رہا تھا، گھر سے چلے تھے۔ اُدھر سے ہدایت، رحمت آ گئی۔ رحمۃ للعالمینؐ ایک صحابی کے گھر میں عموماً تشریف رکھتے تھے گویا کہ وہاں تبلیغ ہوتی تھی، تربیت ہوتی تھی، عالم کفار جو تھے، خانے کعبے میں تو بیٹھنے بھی نہیں دیتے تھے، ابھی بڑی سختیاں تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا پہلے جوش جو اسلام کے خلاف تھا اب اسلام کے حق میں ہو گیا۔

○.....چودہ سو سال کے بعد جو ہمارا اسلام ہے اس کو نہ دیکھو۔ وہ صحابہؓ کا اسلام دیکھو، تب ہمیں کچھ نصیب ہوسکتا ہے، کیونکہ ان کے وقت میں تو کتنے ہی خدا تھے، معاذ اللہ۔ بڑا ربّ تو وہ اُسی کو مانتے تھے جو پیدا کرنے والا ہے لیکن اُس کے ماتحت پھر اور ربّ بنا لیے ناں؟ جو شرک میں مبتلا تھے، جہالت تھی، اب اگر کوئی کہتا کہ صرف ایک ربّ ہے تو وہ اُن کا سب سے بڑا دشمن تھا، جو لوگ شرک میں مبتلا تھے وہ تو دشمن بن گئے، لیکن جو توحید کے عالم بردار تھے، یہ سمجھا رہا ہوں کہ اُن کا یہ کہنا

کہ ہمارا ربّ صرف اللہ ہے۔ اس کہنے میں ایک جان تھی، ایک قوت تھی، اس نے دشمن کو ہلا دیا، آج ہمارے اندر تو کچھ نہیں۔ تو ایک وہ وقت ہے کہ گھروں سے نکالے جارہے ہیں۔ ایک وہ وقت ہے کہ دس ہزار مقدس جماعتِ صحابہؓ کا لشکر جرار، رحمۃ للعالمین ﷺ ساتھ لے کے مکہ فتح کر رہے ہیں، کوئی ہے دنیا میں ایسی مثال؟ اللہ کی حکمت، اللہ کے وعدے پورے ہوئے۔ آٹھ سال کیا ہیں؟ کتنے سال پاکستان کو بنے ہوگئے، ابھی مشورے ہی ہورہے ہیں۔ سرکارِ دو عالم ﷺ اور صحابہؓ کو اللہ نے وہ غلبہ دیا کہ آج تو نکالے جارہے ہیں مظلوم ہیں۔ آٹھ سال کے بعد فتح کر رہے ہیں اور اتنی بڑی قریش کی طاقت کو فتح کیا کہ ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یہ اللہ کی مدد اس لیے ہوئی کہ یہ اللہ کے بنے۔ تو نبی کریم ﷺ اونٹنی پر سوار ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دستے، جھنڈے جدا جدا ہیں اور جنگی تدبیر سے مختلف سمتوں سے داخلے کا حکم ہے۔ میں جو اس وقت سنانا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ اونٹنی پر سوار، اتنے بڑے فاتح، فاتحِ اعظم، تواضع سے سر جھکائے ہوئے ہیں یہ نمونہ، اور کوئی ہوتا کیا کرتا؟ تو جب وہ سارے ظالم، مجرم، جنہوں نے اصحاب کے ساتھ بہت کچھ کیا تھا۔ حضرت بلالؓ موجود، فلاں موجود، ظلم ڈھانے والے موجود، ظلم سہنے والے موجود۔ اب وہ مجرم کی حیثیت سے حضور ﷺ کے سامنے لائے گئے۔ اب ان میں سکت ہی نہیں۔ بڑے بڑے بہادر ہیں لیکن اللہ نے اُن کے اندر رعب ڈال دیا، حضور ﷺ نے فرمایا، میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟ انہوں نے کہا جو بھائی بھائیوں سے کرتا ہے فرمایا "لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ" آج میں تمہارے ساتھ وہی سلوک کروں گا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا، یہی آیت پڑھی "لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ" اب جاؤ میری طرف سے تم پر کوئی الزام نہیں، جو کچھ تم نے کیا تھا، سب معاف کر دیا کوئی ہے دنیا میں ایسا؟ رحمۃ للعالمینی کی شان یہی ہے۔ آدمی مان ہی نہیں سکتا کہ جس کی جماعت کے ساتھ اتنا ظلم ہو؟

ایسے بدبخت تھے کہ حضور ﷺ ایک دفعہ خانے کعبے میں سجدے میں گئے تو ایک بدبخت کو کیا سوجھی کہ جانور کی اوجھڑی لا کر حضور ﷺ کی پیٹھ پر ڈال دی۔ بتاؤ، حضور ﷺ کے ساتھ کیا کیا سلوک نہیں کیا؟ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خانے کعبے میں مار مار کر بے ہوش کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آپ کے چچا نے بوری میں بند کر کے دھواں دیا تا کہ اس تکلیف سے، توبہ کریں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے تو

واقعے مشہور ہیں، کوئی بھی بچ سکا؟ لیکن آج دیکھو رحمۃ للعالمینی کی شان، جلوہ گر ہے، کہ دشمن زیر ہوگیا ''لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ'' آج میری طرف سے تم پر کوئی الزام، ملامت نہیں '' يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ '' وہ بڑا رحم والا ہے، اللہ تم کو معاف کردے، بخش دے۔

پھر اس رحمت کے اثر سے، وہ اکھڑ قوم، اللہ کی رحمت سے نوازی گئی اور کتنے لوگ فتح مکہ پر دل سے مسلمان ہوئے کہ ہم جو سمجھتے تھے وہ غلط تھا۔ آپ اللہ کے سچے نبی ہیں۔ ورنہ کوئی مکہ فتح نہیں کرسکتا تھا ''لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ '' یہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کو عام معافی دے کے پھر فرماتے ہیں کہ اب تم جاؤ یہ میرا کرتہ، میری قمیص لے جاؤ۔ چالیس سال کچھ زیادہ بھی بتاتے ہیں۔ چالیس سال کوئی تھوڑی مدت ہے؟ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل میں چالیس سال ایک دکھ تھا۔ ماتم پیٹنا نہیں، انہوں نے حزن فرمایا، جس کا تعلق صرف دل سے ہے۔ حزن کہتے ہیں دل کے اندر ایک غم۔ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اتنا غم کیوں لاحق ہوا؟ چالیس سال وہ غم کر، کر کے آنکھوں کی روشنائی ختم ہوگئی؟ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ مجددِ اعظم فرماتے ہیں کہ یہ دنیا کی محبت نہیں تھی مجدد صاحب یہ عارفانہ نقطہ بیان فرماتے ہیں کہ اللہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اس جہان میں جنت کا حُسن عطا فرما دیا تھا، تو یہ محبت دنیا کی نہیں تھے، یہ تو جنت کے تھے، خدا کے جلوے تھے، ان جلووں سے محبت تھی، جو بیٹے پر رب کے جلوے تھے، لیکن چالیس سال حضرت یعقوب علیہ السلام کا پھر صبر، تعلق اتنا اور صبر اتنا۔ ''اَلْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ'' کا معنیٰ ہے، کہ دل ہی میں انہوں نے اس غم کو بند کر کے رکھا۔ یہ کمال ہے ناں؟ لیکن اس کا اثر جو پڑا تو آنکھوں کی روشنائی پر پڑا۔ یہ سب آزمائش حکمت ہے۔ یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنی جو عظیم شان تھی۔ اس کے مطابق اللہ نے آپ کے کمال صبر کو قیامت تک کے لیے قرآن میں نمونے کے طور پر پیش فرمایا۔ اُدھر حضرت یوسف علیہ السلام کی ترتیب دیکھو، بچے ہیں کنویں میں ڈالے گئے، مصر کی منڈی میں بکتے ہیں کوئی معمولی بات ہے؟ دنیاوی تو اس قدر ہتک ہے۔ ہیں اللہ کے پیغمبر۔ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کہ مصیبت پیغمبروں پر آجائے۔ مصیبت کو صرف بُرا نہ سمجھو۔ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے ماتحت چلیں اور صبر کریں، تو مصیبت اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔

○...... حضرت یوسف علیہ السلام کو احساس تو تھا ناں کہ سالہا سال سے حضرت یعقوب علیہ السلام پر یہ میرا

اثر ہے۔ لیکن یہ اپنی جگہ صبر پر ہیں وہ اپنی جگہ صبر پر۔ آج وقت آیا ہے تو فرمایا یہ میرا کرتہ لے جاؤ اور میرے والد صاحب کی آنکھوں پر جا کے لگانا، نظر واپس آ جائے گی۔ معجزہ ہے، اللہ نے بتا دیا۔ یہ وحی کے ذریعے کام ہو رہا ہے۔ پیغمبر جو خبر دیتے ہیں اللہ کی طرف سے، وحی کے ذریعے دیتے ہیں کیونکہ اس میں پھر کوئی غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ اب بتاؤ کُرتہ آنکھوں پر لگ جائے، نظر ہے نہیں، کیسے واپس آئے؟

○...... یہ کُرتہ کس کا تھا؟ حضرت یوسف علیہ السلام کا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ وہ کُرتہ ہے، جو جنت سے لا کر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو پہنایا گیا تھا۔ جو کافروں، ظالموں نے آپ کے کپڑے اتار کے، نعوذ باللہ آگ میں پھینکا تھا، یہ تبرک کے طور پر چلا آتا تھا، جو حضرت یوسف علیہ السلام کو دیا گیا۔ ان کو بھی وہ کپڑے اتار کے چھوڑ گئے تھے، پھر جبرائیلِ امین وہ کُرتہ لائے، ایک تو اس کُرتے کی تاثیر ہی یہی تھی، یہ معجزے کا کُرتہ تھا۔ دوسرا اللہ کی طرف سے اب اس معجزے کا ظہور ہونا تھا۔ یہاں سے فرمایا کہ اس میرے کُرتے کو میرے ابا جان کی آنکھوں پر لگانا تو پھر ان کی آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی۔

قافلہ کُرتہ لے کر روانہ ہوا، اس زمانے میں کوئی ٹیلی فون نہیں، وائرلیس نہیں، کچھ نہیں، اللہ کی قدرت کی وائرلیس تھی، کُرتہ یہاں سے چلا تو حضرت یعقوب علیہ السلام وہاں دیکھ کر خبر دے رہے ہیں ''اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ'' اگر مجھے سترہ بہترہ یہ ایک محاورہ ہے زیادہ عمر ہو جائے، پیغمبر جتنے بڑے ہو جائیں اُن کی عقل میں کمی نہیں آتی، تو فرمایا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ یہ خیال ہے اس کا، عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے، یہ دوسروں کو جو احتمال ہو سکتا تھا ناں؟ اس کی بنا پر فرمایا ''لَوْ لَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ'' اگر تم مجھے سترہ بہترہ نہ سمجھو، میرے ہوش حواس قائم ہیں، تو آج مجھے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آ رہی ہے۔ خیال نہیں تھا خوشبو آ رہی ہے۔ معجزہ ہے ان کا۔ کرتے کو بھیجنا بھی معجزہ ہے، حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہاں سینکڑوں میل دُور خبر دینا بھی معجزہ ہے، کسی نے پوچھا حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہ حضرت اس کی کیا وجہ ہے شہر کے قریب کنویں میں آپ کا بیٹا گرا، آپ کو پتہ نہ چلا، مصر سے کُرتہ بھیجا، آپ کہتے ہین خوشبو آ رہی ہے؟ بات تو حیران کن ہے لیکن اللہ کی حکمت، حضرت یعقوب علیہ السلام نے جواب دیا یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، کبھی اللہ کی طرف سے ہو تو ہماری عرش پر نگاہ پڑ جاتی ہے اور کبھی پاؤں کے تلوے کو ہم نہیں دیکھ سکتے کہ کیا چیز ہے؟ ہر وقت، ہر چیز کو جاننے والا تو صرف

اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کی حکمت ہے کہ عرش تک آدمی کی نگاہ چلی جائے، اس کی حکمت ہے کہ قریب کی چیز نظر نہ آئے۔

تو اب اندازہ فرمائیں! کہ چالیس سال گزرے حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات کی حضرت یعقوب علیہ السلام کو خبر نہیں۔ اس خواب کی بنا پر ناامیدی نہیں۔ خواب کی بناء پر امید تھی کہ کبھی حضرت یوسف علیہ السلام ملیں گے کیونکہ انہوں نے جو خواب دیکھا تھا وہ ان کی عزت، اقتدار کی دلیل تھی۔ لیکن تفصیل کا علم نہیں تھا۔ اللہ خبر دے تو کُرتہ وہاں سے چلے اور آپ یہاں کہیں کہ مجھے تو خوشبو آگئی۔

''قَالُوْا تَاللّٰہِ اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ '' جو پاس بیٹھنے والے تھے وہ کہنے لگے، اللہ کی قسم آپ کو تو وہی پرانا خیالا، یوسف علیہ السلام کا آتا رہتا ہے ''فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا '' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کی نگاہ واپس آگئی، اللہ جو چاہے کرے۔ اللہ جو کام کرتا ہے وہ اسباب کا محتاج نہیں۔ وہاں تو کُن ہوا، یہاں ہوگیا۔ اس کے سامنے تو کوئی دیر نہیں۔ اسباب تو ہمارے لیے ہیں ''قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ '' اب جو لوگ کہہ رہے تھے کہ پرانا خیال ہے ان کو سمجھاتے ہیں، کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا پہلے، کہ میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہو جو تمہیں پتہ نہیں۔ مجھے اس خواب کی تعبیر اور اللہ کی طرف سے جو خصوصی علم دیا گیا تھا اس بنا پر اللہ کی رحمت سے مجھے امید تھی، کہ کبھی ملاقات ہوگی، تم مایوس تھے میں ناامید نہیں تھا۔ دیکھو! یہ ہوتا ہے انبیائے کرام علیہم السلام کا علم کہ اللہ کی رحمت سے ناامیدی نہ ہو اور اللہ کی بے نیازی پر بھی نظر ہو کہ جو چاہے کرسکتا ہے۔ ''قَالُوْا یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ '' اب بھائی سچی توبہ کرچکے اب اپنے ابا جان سے بخشش کی دعا کراتے ہیں، اب حضرت یعقوب علیہ السلام سے واپس جا کے عرض کرتے ہیں کہ ہمارے لیے دعا کریں کہ اللہ ہمارا قصور معاف فرمائے۔ اب حضرت یعقوب علیہ السلام جواب دیتے ہیں ''قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَکُمْ رَبِّیْ '' عنقریب میں اپنے ربّ سے تمہارے لیے بخشش مانگوں گا۔

سبحان اللہ! گویا دوسرے کے لیے مانگنا کہ یا اللہ! اس کے گناہ معاف کردے یہ مسنون طریقہ ہے۔

اب ایک بات سنو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں منافقین تھے، کوئی واقعہ پیش آتا تو چاہتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حل نہ کرائیں، ان کے جو یہودی سردار ہیں ان سے کرائیں، مجبور ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہوتے، ان کی خواہش کے مطابق نہ ہوتا تو پھر جا کے وہ شور مچاتے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ''وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا'' (سورۃ النسآء، آیت:٦٤) فرمایا جنھوں نے ظلم کیا اپنی جانوں پر، وہ حضور ﷺ کی خدمت میں آجاتے ''جَآءُوْكَ'' آپ کی خدمت میں آجاتے، آپ کی خدمت میں بیٹھ کے، اللہ سے بھی معافی مانگتے اور آپ ﷺ سے بھی عرض کرتے کہ آپ ﷺ ہمارے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا کریں۔

○......اس کو کہتے ہیں توسّل، معاف کرنے والا تو وہی ہے ناں؟ لیکن یہ کیوں فرمایا کہ حضور ﷺ بھی ان کے لیے دعا کریں بخشش کی؟ کیونکہ میری دعا اور ہے، تیری دعا اور ہے حضور ﷺ کی دعا اور ہے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر وہ اس طرح کرتے ''لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا'' ضرور پاتے اللہ کو توبہ قبول کرنے والا۔ خود بھی بخشش کی دعا مانگتے، حضور ﷺ بھی ان کے لیے دعا مانگتے، ضرور اللہ معاف کر دیتے، اب مسئلہ سمجھو حیات النبی ﷺ، علمائے اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ یہ آیت نازل تو ہوئی ہے زندگی کے لیے کہ حضور ﷺ جب اس جہان میں سامنے حیات تھے۔ تو ان لوگوں سے اللہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی خدمت میں آ کے معافی مانگو، حضور ﷺ سے بھی دعا کراؤ، اللہ معاف کر دیں گے آیتیں تو ہیں ناں زندگی کے متعلق، لیکن اب یہی آیتیں حضور ﷺ کے روضۂ مقدسہ پر بھی لکھی ہوئی ہیں اور مسئلہ اہلسنت والجماعت کا یہ ہے کہ اب حضور ﷺ کے دربار میں، مدینہ منورہ میں، اگر حاضری کی نوبت آئے تو یہی سمجھو کہ جس طرح اس دنیا کی حیات میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ سے گناہوں کی معافی چاہتے تھے اور حضور ﷺ سے بھی دعا کراتے اسی طرح حضور ﷺ کے روضۂ مقدسہ پر بھی یہ عرض کر سکتے ہو کہ یا رسول اللہ! میرے لیے اللہ سے دعا کریں کہ اللہ مجھے معاف کر دے۔ حیات النبیؐ کا مسئلہ۔ تو حضور ﷺ کی ذات جو ہے یہ واسطہ ہے، ذریعہ ہے، کیا معنیٰ؟ کہ دعا کرو، حضور ﷺ کے طفیل دعا کرو، حضورؐ کے روضہ مقدسہ پر حاضر ہو تو، پھر چونکہ حضور ﷺ وہاں سنتے ہیں، خصوصیت ہے۔ اس لیے حضور ﷺ سے ایسی باتوں کی درخواست کر سکتے ہو، جس طرح زندگی میں کر سکتے تھے، کہ میرے لیے اللہ سے دعا کریں۔ مجھے آپ کی شفاعت نصیب ہو۔ تو ساری چیزیں فقہاء نے لکھی ہیں۔ اب بھی سارے پڑھتے ہیں یہ نجدی

حکومت بھی اس عقیدہ کی قائل ہے۔ ان کی کتابیں بھی چھپی ہوئی ہیں تو یہ خصوصیت ہے رحمۃ للعالمین ﷺ کی۔

اے سُنّی مسلمان سمجھ! اولیاء اللہ کے طفیل بھی دعا کر سکتے ہو، لوگ اولیاء اللہ کے طفیل کرتے ہیں۔ اصحاب کے طفیل بھی کبھی کی ہے؟ کتنی غفلت ہے؟ اولیاء اللہ کی دعائیں ہیں، ہمارے شجرے ہیں شیخ العرب والعجم حضرت خالد مدنی رحمہ اللہ کا شجرہ ''سلاسل طیبہ'' چھپا ہوا ہے، چشتی، قادری، سہروردی، نقشبندی، اپنے پیرومرشد سے لے کر سرورِ کائنات تک جتنے اولیاء اس سلسلے میں، سب کے طفیل دعائیں ہیں۔ عام سُنّی مسلمانوں میں یہ تو ہے ناں، لیکن اصحابؓ کے طفیل کبھی دعائیں آپ نے کیں؟ آپ میں سے بہت تھوڑے ہوں گے جنہوں نے دعاؤں میں کبھی یہ کہا ہو کہ یا اللہ! صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے طفیل میری دعا قبول فرما؟ فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے طفیل، حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے طفیل، حضرت علی المرتضیٰؓ کے طفیل، حضرت بن ولیدؓ کے طفیل، حضرت ابوعبیدہؓ ابن جراح کے طفیل، فاتح مصر حضرت عمرو ابنؓ عاص کے طفیل، جس پر مودودی بھی کیچڑ اچھالتا ہے، یاد رکھو! صحابہ پر تنقید کرنے والے کو ہم معاف نہیں کر سکتے، جو ایمان کی بات ہے، وہ ایمان کی رہے گی، صحابہؓ سے کوئی بلند ہے؟ جو صحابہ پر اعتراض کرتا ہے وہ ہمارے لیے قابلِ قبول نہیں، خواہ آسمان پر چڑھ جائے۔ فاتح ایران حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ، کبھی عشرہ مبشرہ صحابہ کے طفیل دعاء کی ہے کہ یا اللہ! جو حضور ﷺ کے دس جنتی صحابہ ہیں جن کا نام جبرائیل امین علیہ السلام کے ذریعہ حضور ﷺ تک بھیجا ہے، ان کے طفیل میری دعا قبول فرما؟ صحابہؓ کی عظمت بٹھانے کے لیے عرض کر رہا ہوں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بغیر تم کو کچھ نہیں ملے گا اور اب تو آسان ہے۔ چار یارؓ کے طفیل، خلفائے راشدینؓ کے طفیل، حق چار یارؓ کے طفیل، یہ سارے الفاظ ہیں۔ اولیاء کے طفیل بھی کر سکتے ہو، لیکن میں کہتا ہوں کہ جن کے قطعی جنتی ہونے کا ہمیں یقین ہے کہ یہ جنتی ہیں ان کے طفیل تو زیادہ اللہ کی رحمت اور قبولیت ہوگی۔ دیر ہوگئی، چونکہ اللہ کا قرآن ہے آیات میں سے مسائل نکلتے ہیں، اس لیے اس کی میں نے کچھ تشریح کردی، ابھی مضمون باقی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے تخت پر کس طرح اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور کس طرح اپنی عبدیت کا اظہار کرتے ہیں؟ اللہ سمجھ دے، عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

انفاسِ قدسیہ

قطبِ عالم شیخ الاسلام

حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ کی خصوصیات

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری☆

اخلاص وللّٰہیت:

حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا سب سے بڑا کمال اُور سب سے زیادہ بلند مقام اُن کا خلوص ہے۔ حضرت رحمہ اللہ کی یہ ایک ایسی صفت ہے کہ جس کا اعتراف اُن کے دُشمن اُور مخالف بھی کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے، یوں تو سب ہی انسان اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ وہ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں مخلص ہیں لیکن یہ دعویٰ صرف زبان سے کہہ دینے سے پورا نہیں ہوتا کیونکہ اخلاص فعلِ قلبی ہے نہ کہ فعلِ لسانی تاوقتیکہ کسی آدمی کا قلب درست نہ ہو اخلاص پیدا نہیں ہوسکتا۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے ہم لوگوں کو جلالین شریف ختم کراتے وقت (شرکاءِ جلالین شریف نے اور حضرت اُستاذی مولانا سید فخر الحسن صاحب نے حضرت سے درخواست کی تھی کہ جلالین کی آخری عبارت پر کچھ اِشارہ فرما کر دُعائے ختم کرا دی جائے، حضرتؒ نے اس درخواست کو منظور کرلیا تھا) ارشاد فرمایا تھا کہ قرآنِ پاک کی یہ آیت ''اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ'' ایک ایسی جامع آیت ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کرنے کا طریقہ بتاتی ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا تھا اللہ تعالیٰ کی عبادت تین طرح سے کی جاتی ہے: (۱) ثواب کے لالچ اور عذاب کے خوف سے (۲) رضاءِ الٰہی کے لیے (۳) اللہ تعالیٰ کو مستحقِ عبادت و بندگی اور پرستش سمجھتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا اسلام میں یہ تینوں طریقے محمود ہیں لیکن تیسرا طریقہ یعنی اللہ تعالیٰ

☆ فاضل دارالعلوم دیوبند و خلیفہ مجاز حضرت مدنی رحمہ اللہ

کی بلا کسی غرض و لالچ کے عبادت اور تابعداری کرنا یہ نہایت اُونچا مقام ہے جو بعض مخلصین ہی کو حاصل ہوتا ہے گویا کہ اخلاص کی آخری منزل یہی ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا تھا کہ رضائے باری تعالیٰ کے لیے بندگی کرنا یہ بھی لالچ کی بندگی ہے اس میں بھی اخلاص نہیں ہے کیونکہ خدا مالک ہے اور حاکم ہے اُس کو اختیار ہے کہ چاہے راضی ہو یا نہ ہو اور اگر وہ راضی نہیں ہوتا ہے تو اس کے معنیٰ کیا یہ ہو سکتے ہیں کہ اس کی عبادت ترک کر دی جائے گی۔ہاں بندے کی یہی شان ہے کہ وہ اُس کی عبادت اور تابعداری کرنے میں اللہ تعالیٰ کو راضی رکھنے کا خیال بھی دل سے مٹا دے اور یہ سمجھے کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہوں قرآن کہتا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ اس میں اُسی عبارت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کو میں تیسرے نمبر میں بیان کر چکا ہوں یعنی انسان کو پیدا ہی عبادت اور بندگی کے لیے کیا ہے اس میں انسان اگر اپنی کوئی غرض شامل کرنا چاہے وہ ثواب کی غرض ہو یا رضاءِ الٰہی کی، اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ بندگی کے منافی ہے۔اگرچہ اسلام نے سب کو پسند کیا ہے اور محمود قرار دیا ہے مگر میں اخلاص فی العبادت کے اصلی معنیٰ بیان کر رہا ہوں جس کو شریعت میں ''احسان'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اخلاص کی اس تعریف کے بعد یہ معلوم کرنا بھی نہایت ضروری ہے کہ حضرت شیخ الاسلامؒ نے تیسرے نمبر کو کیوں ترجیح دی ہے، وجہ غالباً اس کی یہ ہے کہ بلاغرض جو کام کیا جاتا ہے اُس کو مداومت حاصل ہوتی ہے اور وہ گنڈے دار نہیں ہوتا کہ کبھی کیا اور کبھی نہیں کیا، دُوسرے یہ کہ کام میں حسن اور خوبصورتی پیدا ہو جاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ کسی کام کو مداومت اور اُس کام کے آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے نہایت اچھے طریقے سے انجام دینا کام کرنے والے کے اخلاص کے اعلیٰ مقام پر دال ہوتا ہے کیونکہ جو کام اُجر یا عوض کی نیت سے کیا جاتا ہے کام تو ہو جاتا ہے لیکن بے حسن ہوتا ہے اور اگر حسن بھی پیدا ہو گیا تو اتنا کمال حسن نہ پیدا ہوگا جو بے لوثی کے ساتھ اپنے فرائضِ منصبی کے احساس کے ماتحت کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے جنگِ آزادی میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیے حتیٰ کہ ملک کو آزاد کرا لیا اور دینی خدمات، درسِ حدیث، تبلیغی اور دوسرے تعمیری کام بھی انجام دیے ان تمام اُمور

میں حضرتؒ اخلاص کے اونچے مقام (نمبر تین) کو اختیار کیے ہوئے تھے۔

جنگِ آزادی میں متعدد تحریکیں فیل ہوئیں، حضرتؒ جیل میں بھی برسوں رہے لیکن قدم پیچھے نہ ہٹا حتی کہ جس وقت آپ نینی جیل میں تھے آپ کو تحریک کے فیل ہونے کی اطلاع ملی تو ارشاد فرمایا: اب زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ میری قبر کسی جیل میں بن جائے گی آپ کے اس مجاہدانہ عزم میں وہی اخلاص کارفرما تھا جس کا ذکر اُوپر ہو چکا ہے۔

جب آپ جہادِ حریت میں کامیاب ہوگئے تو یہ فرما کر علیحدہ ہوگئے ''حکومت کے عہدے اُن کو ملیں جن کو اس کی طلب ہو'' اور فوراً ہی سیاست سے کنارہ کش ہوگئے حتیٰ کہ حکومت نے پدم بھوشن کا خطاب دیا تو اُس کو بھی شکریہ کے ساتھ واپس کر دیا اور جب آزادی کا پھل کھانے کا نمبر آیا تو سیاست سے علیحدگی اختیار کی اور دُوسرے رہنماؤں کی طرح حکومت کے عہدے اختیار نہیں کیے، کتنا بڑا اخلاص ہے۔ اس اخلاص کا اندازہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ خدمات دوسرے لیڈروں نے بھی انجام دی ہیں مشقتیں دوسرے لیڈروں نے بھی اُٹھائی ہیں مسلسل قید و بند کی سختیاں بھی برداشت کرتے رہے ہیں لیکن اخلاص کا یہ منور چہرہ اور اخلاص کی یہ خوشبو کسی لیڈر کی خدمات میں موجود نہیں۔ صرف حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ ہی اس میدان کے وہ تنہا سپاہی اور سالار اعظم ہیں کہ جن کی خدمات کو مخلصانہ کہا جاسکتا ہے۔

حضرت رحمہ اللہ کی سیاسی خدمات کو اخلاص کی مذکورہ تعریف کے میزان میں تول کر دیکھیے بال برابر فرق نہ ہوگا۔ جہادِ حریت میں عنداللہ آپ کا وہی مقام ہے جو ایک مجاہد فی سبیل اللہ کا ہوتا ہے، آپ کو سیاسی تقریروں اور تحریروں میں وہی اجر و ثواب ملے گا جو ایک مجاہد کو تلوار چلانے میں ملتا ہے۔ انشاء اللہ۔

اس کے بعد حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے تبلیغی دَورے اور اسفار دیکھیے کہ اُن میں کتنا اخلاص ہے۔ آپ کے تبلیغی دوروں کی ابتداء ہندوستان کے صوبہ آسام سے ہوئی ہے، آسام ایک ایسا مقام ہے کہ جس کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ اس کو انسانوں نے اپنے قیام کے لیے کس طرح منتخب کر لیا چاروں طرف پہاڑ دریا ہیں، آندھی اور زلزلہ کا یہ عالم کہ تصور سے رُوح کانپتی ہے۔ بانس کنڈی کے قیام کے دوران راقم الحروف نے ان لرزہ خیز طوفانوں کے تھپیڑے کھائے ہیں، ان طوفانوں میں حضرت تبلیغی دورے کرتے ہوئے دریا اور پہاڑوں کو کھوندتے ہوئے پھرتے رہے ہیں۔

آج کل اگر کسی مقرر کے جلسہ میں مجمع زیادہ نہ ہو تو اُن کے منہ سے بات نکلتی ہی نہیں حالانکہ

زبان سے یہی کہتے ہیں کہ ہماری تقریر اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثوابِ آخرت کے لیے ہے مگر جب عمل کا نمبر آتا ہے تو چپ ہو جاتے ہیں۔ حضرت رحمہ اللہ نے دس دس اور پندرہ پندرہ آدمیوں کے سامنے اُسی جوش اور انداز سے تقریر کی ہے کہ جس طرح ہزاروں آدمیوں کے مجمع میں فرماتے تھے۔ اس مخلصانہ جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ آج مشرقی پاکستان اور آسام میں حضرتؒ کے ۹۶ خلفاء موجود ہیں۔

ایک دن حضرتؒ کے یہاں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمہ اللہ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ تشریف لائے اور دونوں حضرات نے حضرت سے درخواست کی کہ اب آپ کمزور ہو گئے ہیں اسفار بند فرما دیں۔ حضرتؒ نے فوراً ہی ارشاد فرمایا جس کی صدا آج بھی میرے کانوں میں گونجتی ہے کہ ''میرے بس کی بات نہیں کہ اُسفار بند کر دُوں۔''

حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی اس بات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کی جدوجہد، طائف کی تکالیف اور بدر و اُحد کے میدان کی زندگی میں ملاحظہ فرمائیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوستوں، رشتہ داروں کی بیوفائیوں سے اپنے کام سے باز رہے اور نہ مصائب و آلام ہی نے آپ کا قدم ڈگمگایا یہاں تک کہ فتح مکہ ہوا اور يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا کی بشارت دے کر آپ کو کامیابی پر مبارک باد پیش کی گئی۔ جب دین کامل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بُلا لیا تا کہ کوئی بد بخت یہ نہ کہہ دے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم عالم میں حکومت کرنا چاہتے ہیں یا ملک گیری کی ہوس رکھتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کا مقامِ خلوص اور فناء فی الرسول ہونا کس قدر مشابہت رکھتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے کہ کسی کام میں بھی ادنیٰ درجہ کی خودغرضی کا شائبہ نہیں ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

جس سال آپ آخری حج سے تشریف لائے تو دیوبند تقریباً دو بجے شب پہنچے اُسی وقت اعلان کر دیا صبح کو سبق ہوگا، دُنیا سفر سے آ کر ایک ایک ہفتہ مہینہ مہینہ بھر آرام کرتی ہے لیکن یہاں راحت و آرام کا نام ہی نہیں ہر وقت اپنی ڈیوٹی اور فرضِ منصبی کا خیال ہے۔ کیا یہ کیفیت بغیر اخلاص کامل کے حاصل ہو سکتی ہے ہرگز نہیں، مہتمم صاحب ارشاد فرماتے ہین کہ ایک دن حالتِ مرض میں آپ کی خدمت میں تنخواہ تقریباً ڈیڑھ ہزار روپیہ پیش کی گئی تو آپ نے فوراً ہی انکار فرما دیا کہ جب میں نے کام ہی نہیں کیا تو کیوں لوں۔ ہم جیسے لوگوں کی تو ڈیڑھ ہزار روپیہ دیکھ کر رال ٹپک جاتی لیکن ایک

صاحبِ اخلاص کے یہاں ان چیزوں کا خیال تو درکنار اس قسم کے حالات سے اُن کو تکلیف ہوتی ہے۔
دارالعلوم میں جتنے ایام پڑھایا اُتنے ہی دن کی تنخواہ لی حالانکہ کام سب سے زیادہ کرتے تھے۔
رات کے بارہ بجے تک اسباق پڑھاتے رہتے تھے۔ عبادت میں اخلاص کا یہ عالم کہ سفر، حضر، جلسہ میں ہوں یا اسٹیشن، جہاز میں ہوں یا ہوٹل...... ریل میں جماعت اور صلوۃ الیل کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے، روزانہ ایک بجے سونا ہوتا فوراً ہی دو بجے بیدار ہوجاتے ایسے ہی جلسوں میں رات رات بھر مصروف، لوگ آرام کے لیے بستر تلاش کرتے، یہ مردِ مجاہد مصلّٰی تلاش کرتا اور ہاتھ باندھ کر خدا کے حضور میں حاضر ہوجاتا۔ ہم جیسے لوگ تو یہی تاویل گھڑیں گے کہ میاں نفس کا بھی حق ہے کچھ آرام بھی کرنا چاہیے اور تقریر بھی تو خدا ہی کے لیے کی ہے اب تہجد کی کیا ضرورت ہے۔
لیکن وہ حضرات جن کو اخلاص کا اعلیٰ مقام حاصل ہے اُن کے یہاں تاویلات نہیں ہوتیں بلکہ وہ ان تمام اُمور کو اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہوئے نہایت حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیتے رہتے ہیں، بے شک حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی لغت میں فرائض منصبی اور مخلصانہ بندگی کے مقابلہ میں راحت و آرام کا لفظ موجود نہیں تھا (ارشاد مہتمم دارالعلوم دیوبند)

وفیات

① ظاہر پیر (رحیم یار خان میں) شیخ التفسیر مولانا منظور احمد نعمانی صاحب کی اہلیہ اور فرزند رحمہما اللہ ② (جہانیاں منڈی (خانیوال) میں) حضرت مولانا سید محمد امین شاہ صاحب نوراللہ مرقدہ کی صاحبزادی اور حضرت مولانا سید محمد معاویہ امجد شاہ صاحب مدظلہ کی ہمشیرہ محترمہ اور مشہور ثناء خوانِ مصطفیٰ جناب سید عزیز الرحمٰن صاحب کی والدہ ماجدہ ③ چک ملوک چکوال میں تحریک خدام اہل سنت کے پرانے ساتھی جناب صوفی محمد اسلم صاحب ④ جھان سومرو (سندھ) میں شیخ الحدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مدظلہم کے استاد حافظ خان صاحب ⑤ طالبان عبدالغفور صاحب کے بھائی سیٹھ اسلم سومرو صاحب خطیب جہلم پنج وڑیاں (گجرات میں) حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی رحمہ اللہ کی صاجزادی صاحبہ قضائے الٰہی سے وفا پا گئی ہیں۔ حق تعالیٰ تمام مرحومین کی کامل مغفرت فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ قارئین سے بھی دعاؤں کی درخواست ہے (ادارہ)

قسط:74

ابطالِ باطل

ماہ نامہ ''افکارِ العارف لاہور'' کے جواب میں

تلبیسات کے اندھیروں میں حقیقت کے چراغ

مولانا حافظ عبدالجبار سلفی

(بقیہ رُوداد مناظرہ چک ذخیرہ ۱۹۶۳ء)

مولوی اسمٰعیل گوجروی

مثال اس لیے بیان کی جاتی ہے کہ بات کی وضاحت ہو جائے مجھے یہ بالکل منظور نہیں کہ میں اپنے ایمان بالقرآن پر بحث اب کروں اور مثال اس کی کل بیان کروں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مسئلہ تو آج بیان ہو اور اس کی مثال کل بیان ہو؟ میں اس دوسرے موضوع پر علیحدہ مناظرہ نہیں کروں گا بلکہ اس دوسرے موضوع پر اسے پہلے موضوع کے ساتھ ملا کر ہی بحث کروں گا یہ دوسرا موضوع پہلے موضوع کی مثال بن جائے گا اور ساری بحثیں اکٹھی بیان ہوں گی۔ مولوی خالد محمود صاحب آپ بار بار کھڑے نہ ہوں مولوی عبدالستار صاحب کو کھڑا کریں۔ جو اس وقت آپ کی طرف سے مناظر ہیں۔

علامہ خالد محمود صاحب

مولوی صاحب! میں اہل سنت کی طرف سے صدر ہوں اور مناظرے میں موضوع کی پابندی کرانے کا ذمہ دار ہوں جب تک آپ اصولاً تسلیم نہیں کر لیتے کہ آپ اپنے موضوع اور شرائط مناظرہ کے پابند رہیں گے میں اس وقت تک خود ہی آپ کی بے راہ روی اور کج بحثی کا جواب دوں گا آپ یا شرائط کے پابند رہیں گے یا میدان مناظرہ سے فرار کریں گے۔ تیسری کوئی صورت میں چلنے نہیں دوں گا، اگر آپ مثال کے بغیر اپنا مسئلہ بیان نہیں کر سکتے تو مثال بھی اپنے گھر سے لائیں یا معقولات کے رنگ میں مثال پیش کریں جو فریقین میں مسلّم ہو ہمارے مذہب میں ہرگز دخل نہ دیں اس کے لیے علیحدہ مناظرے کا موضوع مقرر ہے مولوی صاحب آپ کی گریز پائی آپ کی انتہائی رسوائی ہے۔

ایک غیر معلوم الاسم شیعہ نمائندہ

بھائیو! ایک بات سنو سردار صاحب (غلام عباس صاحب رئیس اعظم رجوعہ سادات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کا حکم ہے کہ جو شرطیں سادے خاں اور مولوی منظور احمد نے آپس میں طے کی تھیں انہیں ایک طرف چھوڑ دیا جائے۔ اور یہاں کے لوگ اب جس طرح چاہیں اس کے مطابق مناظرہ ہو۔

علامہ خالد محمود صاحب

مناظرہ کے موضوع اور ان کی شرائط سب طے شدہ ہیں مناظرہ ہوگا تو انہی کے مطابق ہوگا ہاں اگر مولوی اسمٰعیل صاحب لکھ دیں کہ میں ان شرائط کے مطابق اور ہر موضوع پر علیحدہ علیحدہ مناظرہ کرنے سے عاجز ہوں تو پھر ہم یہاں کے لوگوں کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اور موضوع اور شرائط طے کرنے اور ان کے مطابق مناظرہ کرنے کو بھی تیار ہیں لیکن مولوی اسمٰعیل صاحب کے اس تحریری اقرار نامہ کے بغیر ایسا ہرگز نہیں ہوگا سردار صاحب کا حکم ہوگا تو آپ کے لیے ہوگا ہمارے نہ وہ سردار ہیں اور نہ ان کا کہنا ہمارے لیے حکم ہے ہم صرف علمی قواعد اور تحریری شرائط کے پابند ہیں ان کی رُو سے کوئی بات ہو سکتی ہے تو پیش کیجیے۔

سردار غلام عباس صاحب رئیس رجوعہ سادات: (کھڑے ہو کر کچھ کہنا چاہتے ہیں)

علامہ خالد محمود صاحب

آپ بیٹھ جائیں آپ کو بات کرنے کا کوئی حق نہیں یا آپ کا صدر بات کرے یا آپ کا مناظر آپ بیٹھ جائیں۔

سردار غلام عباس صاحب

ہمیں کچھ کہنے کا کیوں کوئی حق نہیں؟ ہم اس مجلس میں شریک ہیں اور ہمیں بھی بات کرنے کا حق ہے ہمیں تو کچھ سمجھ نہیں آ رہی مولویوں نے ہمارا بیڑہ غرق کر دیا ہے ہمیں بہت پریشان کر رکھا ہے ہم کدھر جائیں۔

علامہ خالد محمود صاحب

حضرات سردار صاحب نے مولویوں کے متعلق جس پریشانی کا اظہار کیا ہے وہ بجا ہے لیکن غور کیجیے کہ ان کی یہ پریشانی اور مایوسی کن مولویوں کے متعلق ہے؟ ہم اہل سنت کے ساتھ تو سردار صاحب کبھی چلے ہی نہیں اور نہ ہی انہوں نے مسائل میں ہم اہل سنت پر کبھی اعتماد کیا ہے اس لیے اب یہ ان کی پریشانی اور مایوسی صرف شیعہ مولویوں کے متعلق ہی ہوسکتی ہے کہ ان کی بے چارگی اور شکست نے آج سردار صاحب کو اس قدر پریشان کردیا ہے۔ اہل سنت مولویوں کے متعلق انہیں اعتماد ہی کب تھا کہ وہ اب ان سے بدظن ہوں؟ مولوی اسمٰعیل صاحب کی ناکامی کی انتہا ہے کہ خود انہی کے ہم خیال ان سے بدظن ہورہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے ہمارا بیڑہ غرق کررکھا ہے۔

مولوی اسمٰعیل صاحب

حضرات میں قسم کھاکر کہتا ہوں کہ ہمارا اسی قرآن پر ایمان ہے ہم اسے ہی پڑھتے پڑھاتے ہیں یہ تو کوئی اختلافی مسئلہ ہی نہیں اس موضوع کو چھوڑ ہی کیوں نہ دیں جو اس وقت تک طے نہیں ہورہا۔

مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی

(مولوی اسمٰعیل صاحب کے ذرا قریب جاکر) مولوی صاحب مناظرہ کرنا ہے تو اسی موضوع پر کریں اور اپنی شرائط کے مطابق کریں ورنہ مناظرہ چھوڑنے کا اعلان کردیں۔

مولوی اسمٰعیل صاحب مولانا منظور احمد صاحب کو مکا لگانے کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں اور عوام میں ایک شور اٹھتا ہے پھر شیعہ رؤسا مولوی اسمٰعیل کو اس بد اخلاقی اور حواس باختگی پر بہت ملامت کرتے ہیں اور پھر یہ معاملہ ختم ہوجاتا ہے۔

سید نو بہار شاہ صاحب

ہمارے مولوی مانیں یا نہ مانیں لیکن ہم تو اس قرآن پر پورا ایمان رکھتے ہیں اور جہاں تک میرا خیال ہے ہر شیعہ اسی قرآن کو مانتا ہے اور ہر شیعہ کے گھر میں یہی قرآن ہے اگر وہ کسی اور قرآن کو مانتے ہوتے تو ان کے گھروں میں تو وہ قرآن ضرور ہوگا۔ (میاں غلام رسول صاحب سیکرٹری انجمن اصلاح المسلمین)

(کھڑے ہو کر کچھ کہنا چاہتے ہیں)

سید نو بہار شاہ صاحب: آپ بیٹھ جائیں آپ کو بولنے کا کوئی حق نہیں۔ پہلے شرط طے ہو چکی ہے کہ کسی دوسرے شخص کو بولنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔

میاں غلام رسول صاحب: تو پھر آپ کو بھی بولنے کا کوئی حق نہیں آپ کیوں بار بار تقریر کر رہے ہیں آپ کی تو کتابوں سے ثابت ہو گیا ہے کہ آپ کے عقیدے میں یہ قرآن ناقص ہے اس میں شیعہ کے خیال کے مطابق بہت سی آیات نکال دی گئی ہیں۔

سید نو بہار شاہ صاحب: اگر پانچ تولے سونا ہو اور اس میں سے ایک تولہ نکال لیا جائے تو باقی ۴ تولے کا نام تو سونا ہی ہوگا۔ اور اس کے خالص ہونے میں بھی کوئی شبہ نہ ہوگا۔

میاں غلام رسول صاحب: اچھا یہ تو آپ نے مان لیا کہ اس قرآن میں بہت سی کمی ہوئی ہے باقی رہی آپ کی مثال تو سونا جب کسی معین زیور کی شکل اختیار کر لے تو اگر اس میں سے ایک تولہ کم کر دیا جائے تو وہ اس زیور کے نام سے ہرگز باقی نہ رہے گا قرآن ایک حقیقی زیور ہے اگر اس سے کچھ حصہ نکال لیا جائے تو اسے صرف آیات تو کہا جا سکے گا لیکن قرآن کامل ہرگز نہیں کہہ سکتے۔

سید نو بہار شاہ صاحب: اچھا میں اور آپ دونوں بیٹھ جاتے ہیں علماء کو آپس میں بات کرنے دو۔

علامہ خالد محمود صاحب: مولوی اسمٰعیل صاحب اور ان کے اعوان و انصار جو بار بار یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم اسی قرآن کو پڑھتے ہیں اگر ہمارا اس پر ایمان نہ ہو تو ہم اسے کیسے پڑھیں؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ شیعہ حضرات کا عقیدہ ہے کہ جب تک امام مہدی اصل قرآن کو لے کر نہ آئیں اس وقت تک یہ محرف قرآن ہی ان کے لیے کافی ہے اور اس میں باوجود کمی اور زیادتی کے ان کی ضرورت اور مطلب کا مواد کافی ہے شیعہ علماء نے امام مہدی کی غیبت کبریٰ کے دور میں عارضی اور عبوری طور پر اس موجودہ قرآن کو تسلیم کیا ہوا ہے اور اپنے ائمہ کی روایات سے وہ اس کی بعض تبدیلیوں کو بھی جانتے ہیں اور ان تبدیلیوں کو بھی اس قرآن کے ساتھ ہی پڑھتے اور پڑھاتے رہتے ہیں ان کے ترجمہ مولوی مقبول احمد دہلوی کو لے لیجیے تقریباً ہر صفحہ پر موجودہ قرآن سے اختلاف کرنے کی راہیں ہموار کی گئی ہیں اور پھر متبادل آیات بھی اپنے آئمہ کے ذمہ لگا کر ساتھ ساتھ پیش کر دی گئی ہیں۔

شیعہ حضرات کی معتبر کتاب احتجاج طبرسی میں یہ تعلیم ان الفاظ میں پیش کی گئی ہے۔ سوال یہ تھا:

فاخبرونی عما کتب عمر و عثمان۔ (ص ۸۲، مطبوعہ نجف اشرف)

''جو قرآن حضرت عمر اور حضرت عثمان نے جمع کیا اس کے متعلق بتاؤ۔''

تو اس پر فرمایا: ان اخذتم بما فیه نجوتم من النار ودخلتم الجنة۔

''اگر تم اس پر عمل کرو تو جنت میں داخل ہو گے اور جہنم سے بچ جاؤ گے۔''

ملا خلیل قزوینی اس کا معنی یہ بیان کرتے ہیں:

''مراد ایں است کہ باوجود اسقاط و اختلاف در قرأت آں قدر باقی ماندہ است کہ صریح باشد در امامت اہل بیت۔'' (صافی شرح اصول کافی ص ۷۶ لکھنو)

مولوی مقبول احمد دہلوی اپنے ترجمہ قرآن میں لکھتے ہیں:

''ہم اپنے امام کے حکم سے مجبور ہیں کہ یہ جو تغیر یہ لوگ کر دیں تم اس کو اسی کے حال پر رہنے دو اور تغیر کم کرنے والے کا عذاب کم نہ کرو۔ ہاں جہاں تک ممکن ہو لوگوں کو اصل حال سے مطلع کر دو، قرآن مجید کو اس کی اصلی حالت پر لانا جناب صاحب العصر (مہدی منتظر) علیہ السلام کا حق ہے اور انہی کے وقت میں وہ حسب تنزیل پڑھا جائے گا۔ (ترجمہ مقبول ص ۴۷۹)

حضرات ان حوالوں سے شیعہ حضرات کے اس استدلال کی قلعی کھل گئی کہ جب ہم اسی قرآن کو پڑھتے اور پڑھاتے ہیں تو اس میں تحریف کے قائل کیسے ہو سکتے ہیں؟ حضرات ان کے پاس اصل قرآن ہے ہی نہیں ورنہ یہ اس محرف اور عبوری قرآن کو ہرگز نہ پڑھتے پڑھاتے اور یہ ان کی صرف ایک مجبوری ہے۔ صحیح الاعتقادی نہیں۔

مولوی اسمٰعیل صاحب: میرا دعویٰ ہے کہ سنی حضرات کا بھی موجودہ قرآن پر ایمان نہیں یہ میرے پاس ''نور الانوار'' ہے۔

علامہ خالد محمود صاحب: اس کا جواب دیا جا چکا ہے اور اہل سنت کے ایمان کو اس وقت زیر بحث لانا خلط مبحث ہے۔

مولوی اسمٰعیل صاحب: میں تو اس وقت شیعہ کے ایمان بالقرآن پر نہیں سب موضوعوں کو ملا جلا کر ہی بیان کروں گا میں اس موضوع پر علیحدہ بحث نہیں کر سکتا۔

اس موقع پر تھانیدار صاحب اور اہل تشیع کے سب عمائد اور سرداران صاحبان مداخلت کر کے اس بحث کو ختم کرا دیتے ہیں اور مولوی اسمٰعیل صاحب شرائط مناظرہ سے شرمناک فرار کرتے ہوئے نہایت ندامت اور شرمساری سے خاموش ہو جاتے ہیں اور اس طرح معلوم ہوتا ہے گویا اُن کی زبان

گنگ ہو چکی ہے اور وہ اپنی اس تاریخی شکست پردہ اندر ہی اندر اُبل رہے ہیں سرداران شیعہ کے ہاں مولوی صاحب کے ڈھول کا پول کھل چکا ہے۔ ساری ملت شیعہ کی آنکھیں نیچی ہیں اور مناظرہ ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد کیا ہوا اسے ملاحظہ فرمائیے۔

مولوی اسمٰعیل صاحب: میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں فاضل دیوبند ہوں نہ میں ہوں اور نہ اس کا مجھے دعوی ہے لوگ اشتہاروں میں یونہی لکھ دیتے ہیں میں اس کا ذمہ دار نہیں۔

اس کے بعد مولوی اسمٰعیل صاحب اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور یہ کہہ کر کہ یہ سنی علما کافر ہیں میں ان کے پاس بھی نہیں بیٹھتا وہ کسی اور کمرے میں چلے جاتے ہیں اور اس طرح مناظرے کی کارروائی کا یہ تتمہ بھی اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔ اور شیعہ روساء اپنی اپنی کاروں میں بیٹھ کر سب واپس ہو جاتے ہیں اور مولوی اسمٰعیل کو ایک خچر پر بٹھا کر پیچھے ایک دوسرا آدمی سوار کرا کر اور اُن کی کتابوں کو گدھوں کے اوپر لاد کر واپس کیا جاتا ہے۔ اہل سنت اور شیعہ عوام وخواص نے مولوی اسمٰعیل صاحب کو چک ذخیرہ سے چنیوٹ کی سڑک پر اس طرح آتے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا مولوی اسمٰعیل صاحب کی اس بیچارگی اور رسوائی پر سب کو ترس آرہا تھا اگرچہ مولوی صاحب کو صرف اسی بات کا غم ہوگا کہ ان کی فیس کیوں ماری گئی اور شیعہ رؤساء ان سے کیوں متنفر ہو گئے؟ بہر حال یہ سلسلہ ختم ہوا اور اہل سنت علماء کاروں میں بیٹھ کر اسلام زندہ باد تنظیم اہل سنت زندہ باد کے نعروں کی گونج میں نہایت کامیابی سے واپس ہوئے۔

اس مناظرہ کے ایک ہفتہ بعد مولوی اسمٰعیل صاحب نے ایک نام نہاد مولوی کرم دین سے جو کافی عرصہ پہلے سے شیعہ ہو چکا تھا اس مضمون کا اشتہار نکلوایا کہ وہ مناظرہ ذخیرہ سے متاثر ہو کر شیعہ ہوا ہے چنیوٹ کے لوگوں نے اس نام نہاد مولوی کرم دین کے گاؤں موضع ''حسو کے'' جا کر واقعات کی تحقیق کی وہاں کے ذمہ دار لوگوں نے یہ حلفیہ بیان دیا کہ کرم دین مذکور اس مناظرہ ذخیرہ سے کافی عرصہ پہلے کا شیعہ ہو چکا ہوا ہے اور اب اس کی یہ اشتہار بازی محض ایک فراڈ ہے چنانچہ حضرت مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی نمائندہ اہل سنت نے اس امر کو ایک اشتہار عام کے ذریعہ شائع کر دیا جو یہاں نقل کیا جاتا ہے اور حق کی فتح کا یہ عالم ہے کہ اب تک شیعہ نمائندے رائے سادے خاں صاحب کو اس کی تردید کی ہمت نہیں ہوئی وہ اشتہار یہ ہے:

''مناظرہ چک ذخیرہ نمبر ۲ میں اہل سنت کی شان دار فتح مولوی اسماعیل گوجروی کا شرائط

مناظرہ سے شرمناک فرار اور عبرت ناک شکست' نام نہاد مولوی کرم دین کا سفید جھوٹ، وہ مناظرہ ذخیرہ سے کافی عرصہ پہلے شیعہ ہو چکا تھا۔''

حضرات! ۲۳ر اپریل ۱۹۶۴ء کو چک ذخیرہ نمبر ۲ ضلع گوجرانوالہ میں جو مناظرہ ہوا اس میں شیعہ کی جانب سے مناظر مولوی محمد اسماعیل صاحب گوجروی اور صدر مولوی محمد حسین پرنسپل دار العلوم محمدیہ سرگودھا تھے، اور اہل سنت والجماعت کی جانب سے مولانا عبد الستار صاحب تونسوی اور پروفیسر علامہ خالد محمود صاحب صدر تھے شیعی مناظر نے تحریر شدہ شرائط نامہ سے پہلوتہی کی بڑی کوشش کی، آخر بڑی ردوکد کے بعد اقرار کیا کہ میں تحریر شدہ نامہ کے مطابق مناظرہ کروں گا، چنانچہ مناظرہ شروع ہوا اور مناظر اہل سنت علامہ تونسوی نے اپنی پہلی تقریر کی، اس لاجواب تقریر سے شیعی مناظر کے کچھ ایسے اوسان خطا ہوئے کہ اس نے اپنی پہلی جوابی تقریر میں ہی شرائط مسلّمہ مناظرہ ہذا کی خلاف ورزی شروع کر دی اور تحریر شدہ شرائط پر مناظرہ کرنے سے انکار کر دیا۔ جس کی تفصیل ہفت روزہ ''دعوت'' اخبار لاہور میں قسط وار آ چکی ہے اور ان شاء اللہ کتابی صورت میں عنقریب شائع ہو جائے گی شائقین حضرات دفتر ''دعوت'' شاہ عالم مارکیٹ لاہور سے طلب کریں اگر شرائط مناظرہ کی خلاف ورزی کا نام شکست ہے اور اگر مناظرہ میں مدعی کی تقریر کا جواب نہ دے سکنے کا نام ہزیمت ہے اور خلطِ مبحث دوسرے لفظوں میں دھاندلی فرار کا واضح نشان ہے تو ''چک ذخیرہ'' کے مناظرہ میں شیعی مناظر شکست فاش ہزیمت عظیمہ اور واضح فرار سے دوچار ہوئے ہیں اگر یقین نہ آئے تو اس گھڑے سے جا کر دریافت کریں جس سے مبلغ اعظم نے پانی پی پی کر تالو اور زبان کی خشکی دور فرمائی یا اپنے چہرے کی رنگت کو یاد کریں جو بار بار بدل رہی تھی، اس شکست پر پردہ ڈالنے کے لیے گوجروی صاحب نے ایک سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت ایک ایسے شخص سے مذہب کی تبدیلی کا اعلان کرایا جو اس مناظرہ سے کافی ایام پہلے شیعہ ہونے کا اعلان اپنے گھر موضع ''حسوکے'' میں کر چکا تھا، اطمینان خاطر کے لیے معززینِ موضع ''حسوکے'' کا حلفیہ بیان ملاحظہ فرماویں جس سے آپ پر ''مبلغ اعظم'' کی ''صداقت'' روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گی[1]۔ (جاری ہے)

---

(۱) مفصل روداد مناظرہ چک ذخیرہ، (حافظ آباد) ہفت روزہ ''دعوت'' لاہور، ۵ر جولائی ۱۹۶۳ء بمطابق ۱۳ صفر المظفر ۱۳۸۳ھ مرتبہ غلام محمد فاروقی۔

[کنزِ مدفون]　　ترتیب واملاء وحواشی : مولانا حافظ عبدالجبار سلفی

مکاتیبِ قائدِ اہلِ سنت
بنام
ماسٹر منظور حسین صاحب

تعارف:

ماسٹر منظور حسین صاحب ساہیوال ضلع سرگودھا کے رہنے والے ہیں ۱۹۵۲ء میں ولادت ہوئی۔ گورنمنٹ پرائمری سکول میں ملازمت کرنے کے بعد ۲۰۰۱ء کو ریٹائرڈ ہوئے۔ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے دست حق پرست پر ۱۹۷۳ء میں بیعت ہوئے اور اب تک عقیدت ومحبت اور خدمت کے جذبات سے سرشار ہیں۔ قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے آپ کو ۲۰۰۳ء میں دفتر، ماہ نامہ حق چاریار کی خدمت پر مامور فرمایا تھا، جسے تا حال حُسن وخوبی کے ساتھ سنبھالتے چلے آ رہے ہیں۔ قائد اہل سنت کے ساتھ معمول کی خط وکتابت میں ان کے نام محفوظ شدہ خطوط اب ''مکاتیب اہل سنت'' کی زینت بنتے جا رہے ہیں۔ (ادارہ)

(۲۵۷) برادرم ماسٹر منظور حسین سلمہ صاحب سلمہ ...... اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عنایت نامہ ملا۔ طالب خیر بخیر ہے۔ ایک بیٹی کے ثبوت میں شیعہ مولوی کی تقریر بھی پڑھی۔ لیکن اس کی یہ ساری تلبیس ہی تلبیس ہے..... جوابات حسب ذیل ہیں:

(۱) رسول کریمؐ کی چار صاحبزادیاں ہونے کا ثبوت نہ صرف کتب اہل سنت سے بلکہ شیعہ مذہب کی مستند کتابوں سے بھی ثابت ہے۔ اصول کافی طبع لکھنو صفحہ ۲۷۸ میں حسب ذیل روایت ہے۔ جو الشافی ترجمہ اصول کافی مترجم حصہ اول صفحہ ۵۴۴ پر منقول ہے جس کا ترجمہ شیعہ مترجم نے یہ لکھا ہے:

اور حضرت خدیجہ سے آپ نے جب شادی کی تو آپ کی عمر بیس سال چند ماہ تھی (مشہور روایت ۲۵ سال ہے) اور بعثت سے قبل بطنِ جناب خدیجہ سے قاسم ورقیہ وزینب وام کلثوم پیدا ہوئیں، اصول کافی میں تو شادی کے وقت عمر مبارک ۲۱ سال سے بھی کم بنتی ہے۔ (قوسین میں مترجم نے ۲۵ سال لکھی ہے) تو شادی کی عمر مبارک میں بھی اختلاف ثابت ہوا۔ لہٰذا شیعہ مولوی کا یہ

دعویٰ بھی غلط ہے کہ: یہ ایسا کمپلکٹ ہے کہ اس میں کوئی جھگڑا ہے نہیں عالم اسلام میں۔‘‘

(۲) شیعہ مذہب کی مستند کتاب ’’حیات القلوب‘‘ مترجم صفحہ ۸۶۹ باب ۵۱۔ بعنوان: آنحضرت ﷺ کے اولاد و امجاد کا تذکرہ لکھا ہے: بسند معتبر حضرت صادق سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا ﷺ کی اولاد جناب خدیجہ کے بطن سے طاہر، قاسم، فاطمہ، ام کلثوم، رقیہ اور زینب ہیں۔ جناب فاطمہ کا نکاح حضرت امیر المومنین سے کیا اور زینب کو ابو العاص بن ربیع سے تزویج کیا جو بنی امیہ سے تھا اور ام کلثوم کا نکاح عثمان بن عفان سے کیا اور وہ قبل اس کے کہ ان کے گھر جاتیں رحمت الٰہی سے واصل ہوگئیں۔ ان کے بعد حضرت رقیہ کو ان سے تزویج فرمایا۔ الخ

(ب) اور مشہور یہ ہے کہ آنحضرت کی چار صاحبزادیاں تھیں اور سب جناب خدیجہ کے بطن سے تھیں۔ پہلی صاحبزادی جناب زینب تھیں۔ حضرت نے ان کی شادی بعثت سے پہلے اور کافروں کو لڑکیاں دینا حرام ہونے سے قبل ابو العاص بن ربیع سے کردی تھی۔ ان سے امامہ بنت ابی العاص پیدا ہوئیں۔ (ایضاً صفحہ ۸۷۰)

سوال: جب اولاد و امجاد کے تحت ان چاروں صاحبزادیوں کا تذکرہ ہے اور امام جعفر صادق بھی یہی فرما رہے ہیں۔ تو شیعہ مولوی نے جو اعتراض و اشکال بیان کیا ہے وہ امام پر بھی لازم آتا ہے نہ کہ صرف اہل سنت پر۔ کیا شیعہ کو اپنے معصوم اور صادق امام حضرت جعفر کے قول پر بھی اعتماد نہیں ہے؟

(۳) شیعہ مولوی کی یہ بات بھی متفق علیہ نہیں ہے کہ: تاریخیں لکھتی ہیں کہ پہلے جو اولاد ہوئی وہ صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام جناب قاسم رکھا گیا جو کم سنی میں انتقال فرما گئے۔ کیونکہ حافظ ابن قیم محدث حضرت زینب کے متعلق لکھتے ہیں کہ: بعض علماء کا قول ہے کہ یہ قاسم سے بھی بڑی تھیں۔ پھر رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ متولد ہوئیں۔ (زاد المعاد جلد اول) تو حسب روایت اصول کافی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے وقت عمر قریباً ۲۱ سال تھی اور حضرت زینب پہلے پیدا ہوئیں تو پھر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے متعلق کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

(۴) نکاح کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا بیوہ ہونا بھی متفق علیہ نہیں ہے چنانچہ حیات القلوب جلد دوم پر صفحہ ۸۸۱ لکھا ہے: ’’سید مرتضیٰ اور شیخ طوسی نے روایت کی ہے کہ جب آنحضرت نے جناب خدیجہ سے تزویج فرمائی وہ باکرہ تھیں اور آنحضرت سے پہلے کیسی دوسرے شخص کے عقد میں نہیں آئی تھیں، اس روایت کی بناء پر شیعوں کا یہ دعویٰ بھی غلط ثابت ہوتا ہے کہ تین صاحبزادیاں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند سے تھیں۔

(۵) شیعہ مولوی کے لیے تو اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ حسب روایت اصول کافی

رسول اللہ ﷺ کا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ۲۱ سال کی عمر میں ہوا۔ پانچ سال کے بعد قاسم اور پھر اگر حضرت زینب رضی اللہ عنہا پیدا ہوئی ہیں تو اعلان نبوت سے پہلے ان کی عمر ۱۴، ۱۵ سال بنتی ہے۔ جبکہ بھائی بہن کی عمر میں ایک سال کا فرق ہے جیسا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے درمیان ایک سال کا فرق ہے۔ اور اگر ۲۵ سال عمر مبارک میں نکاح ہوا ہے۔ تو اس اعتبار سے بھی حضرت قاسم کے اعلان نبوت تک ان کی عمر قریباً ۹ سال بنتی ہے اور دوسری روایت کے مطابق کہ آپ قاسم سے بھی بڑی ہیں آپ کی عمر ۱۰ سال بنتی ہے۔ تو کیا اس عمر میں نکاح نہیں ہوسکتا جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر نکاح کے وقت صرف چھ سال تھی؟ (بحوالہ سیرت النبی جلد ا، اول حصہ دوم)

(۶) حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم پیدا ہوئیں تو ان کی عمریں ۸ اور ۷ سال کی بنتی ہے۔ اس عمر میں بھی نکاح جائز ہے اور عرب میں صغرسنی کے نکاح کا عام رواج تھا۔ لیکن ان دونوں صاحبزادیوں کی رخصتی ہوئی تھی۔ چنانچہ تفسیر قرطبی اور الاصابہ لحافظ ابن حجر عسقلانی میں یہی لکھا ہے۔ اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صغرسنی میں اس نکاح کی یہی توجیہ لکھی ہے کہ صرف نسبت ہوگئی اور چونکہ ابولہب چچا تھا اس لیے اس کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کو اپنی صاحبزادیاں دیں۔ لیکن جب سورۃ تبت یدا ابی لھب نازل ہوئی تو ابولہب نے اپنے بیٹوں سے طلاق دلوادی۔ اور پھر یکے بعد دیگرے یہ دونوں صاحبزادیاں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔

(۷) بندہ کی معلومات کے مطابق کسی شیعہ مصنف نے پہلے یہ اشکال نہیں پیش کیا جو شیعہ مولوی مذکور نے پیش کیا ہے اگر یہ کوئی حقیقی اشکال ہوتا تو شیعہ علماء کیوں نہ پیش کرتے؟ صغرسنی کا نکاح نہ شرعاً معیوب ہے نہ عرفاً۔ اور پہلے بھی عرض کیا گیا ہے کہ اصول کافی کی روایت کے پیش نظر کوئی شیعہ تو یہ اعتراض کر ہی نہیں سکتا جبکہ رسول اللہ ﷺ کا نکاح مبارک تقریباً ۲۱ سال کی عمر میں ہوا تھا۔

ایک ماتمی لطیفہ اصول کافی، کتاب الحجۃ باب ۱۱۲۔ بعنوان ذکر مولد جناب فاطمہ صلوٰت اللہ علیہا لکھا ہے: جناب فاطمہ علیہا السلام بعثت رسول کے پانچ برس بعد پیدا ہوئیں اور ۱۸ سال ۷۵ دن کی عمر میں وفات پائی اور آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ۷۵ دن زندہ رہیں۔ (شافی شرح اصول کافی جلد اول صفحہ ۵۶۷) اور امام حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت کے متعلق لکھا ہے: امام حسن علیہ السلام ماہ رمضان ۲ھ میں جو سال بدر ہے پیدا ہوئے اور ایک روایت کے مطابق ۳ھ میں الخ۔ (ایضاً شافی صفحہ ۵۷۱)

۵ھ نبوت میں حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا۔ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ ۲ھ میں پیدا ہوئے تو اس طرح ۹ سال کی عمر میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بچہ پیدا ہوگیا۔ اور ۳ھ کی پیدائش ہوتو ۱۰ سال

کی عمر میں فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک فرزند کی ماں بن گئیں۔ اگر یہ سب کچھ ہو سکتا ہے تو ۹، ۱۰ سال کی عمر میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور ۷، ۸ سال کی عمر میں یا ۶، ۷ سال کی عمر میں قبل از اعلان نبوت حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم کے نکاح کیوں ناممکن قرار دیئے جا سکتے ہیں کیا کوئی شیعہ مجتہد اس کا جواب دے سکتا ہے؟ بہرحال اصول کافی وغیرہ مستند کتب شیعہ کی روایات کے پیش نظر شیعہ کو تو اس قسم کا اعتراض کرنے کا کوئی حق ہی نہیں ہے جیسا کہ مذکورہ شیعہ مولوی نے بیان کیا ہے اور ۲۵ سال کی عمر میں نکاح نبوی اور حضرت قاسم کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی ولادت کی بناء پر بھی شرعاً ان صاحبزادیوں کے نکاح ناممکن ہیں اور نہ عرفاً۔ اور یہی وجہ ہے کہ شیعہ علماء آج کل "بنات اربعہ" کا انکار تو کرتے رہتے ہیں (حالانکہ ان کی مذہبی کتب میں چار صاحبزادیوں کی تصریح پائی جاتی ہے) لیکن اس سے پہلے ان کی کم عمری کی وجہ سے کسی کا یہ اعتراض معلوم نہیں ہوا۔ اور مولوی مذکور نے بھی جو کچھ تقریر میں کہا ہے یہ ایک ڈرامائی انداز ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

چکوال کے تازہ حالات

گورنمنٹ محمد علی ہائی سکول بھون روڈ چکوال پر ماتمی علم کچھ عرصہ سے نصب تھا۔ سابقہ ڈی سی صاحبان بھی شیعوں کو علم اتارنے کے لیے کہتے رہے لیکن باوجود وعدہ کے وہ اتارتے نہیں تھے۔ ہم نے کئی بار اعلان کیا کہ سکول سے علم اتارلیا جائے ورنہ ہم بھی وہاں سنی پرچم نصب کریں گے۔ چنانچہ ۲۷ رنومبر کو فجر کی نماز سے کچھ دیر بعد خدام نے اپنا سنی پرچم نصب کر دیا۔ اس وقت تو شیعہ دور سے دیکھتے رہے لیکن جب ہمارے آدمی واپس مسجد میں آ گئے تو شیعہ جمع ہو گئے اور سنی پرچم اتارنا شروع کر دیا اسی دوران پولیس بھی آ گئی اور ان کی موجودگی میں پرچم اتارلیا۔ جانبین کی طرف سے فائرنگ بھی ہوئی جس کے نتیجے میں ایک شیعہ زخمی ہو گیا جو پرچم اتار رہا تھا۔ بعد ازاں پولیس نے شیعوں کو گرفتار کیا پھر مدنی مسجد سے اہل سنت کو گرفتار کیا۔ کم وبیش بائیس، بائیس آدمی گرفتار ہوئے۔ ان کے علاوہ بعض وہ اہل سنت بھی گرفتار ہوئے جو ویسے ہی سڑک پر تھے جن کا اس معاملہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔

گرفتاریوں کے بعد پولیس نے امام باڑہ اور سکول پر قبضہ کر کے شیعہ علم بھی اتروالیا جس سے ہم مطمئن ہو گئے۔ وہاں پولیس کی گارڈ متعین ہو گئی۔ لیکن ۳ ردسمبر کو اچانک معلوم ہوا کہ سکول پر ماتمی علم دوبارہ لگا ہوا ہے حالانکہ پولیس کا پہرہ موجود تھا۔ اب اس کے خلاف ہم احتجاج کر رہے ہیں۔ اس میں ایس، پی کا دخل معلوم ہوتا ہے جو شیعہ ہے شیعہ لیڈروں کے حتیٰ کہ موسوی نے بھی یہ بیان دیا ہے کہ یہ علم امام باڑہ سے انتظامیہ نے اتارا تھا۔ وغیرہ۔ حالانکہ وہ بلڈنگ سکول کی ہے نہ کہ امام باڑہ

کی۔ جو جو بیانات اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی فوٹو اسٹیٹ کاپیاں ارسال ہیں۔ ۱۷ صفر کے بارے میں بھی جبکہ فوج طلب کی گئی تھی۔ حافظ عبد الوحید صاحب سمیت سات آدمیوں کو نظر بندی کے تحت جہلم جیل میں بھیج دیا گیا تھا اور آٹھ شیعوں کو بھی۔ ان کے علاوہ جو سنی و شیعہ گرفتار تھے ان کو بھی دفعہ ۳۰۷ وغیرہ کے تحت جیل میں بھیج دیا گیا تھا۔ ان حوالاتیوں کی ۱۴ دسمبر کو عبوری ضمانت ہوگئی ہے اور کل ۱۵ر دسمبر کو حافظ عبدالوحید صاحب وغیرہ نظر بند بھی رہا ہو گئے ہیں۔

فائرنگ کے سلسلہ میں ہمارے تین آدمی شیعوں نے نامزد لکھوائے ہیں ایک چوتھا بھی لکھوایا تھا جو وہاں تھا ہی نہیں اس کو مقدمہ سے خارج کرا دیا ہے۔ اس طرح شیعوں کے بھی ۳۰۷ کے تحت آدمی گرفتار ہیں۔ ضمانتوں کی تاریخ ۲۰ر دسمبر ہے پہلے عبوری ضمانتیں ان کی ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان مقدمات میں بھی کامیابی عطا فرمائیں۔ دشمن ذلیل ہو۔ اور اللہ تعالیٰ اہل سنت والجماعت کو ہر محاذ پر کامیابی نصیب فرمائیں۔ آمین بجاہ رحمۃ اللعالمین ﷺ۔ حضرت مفتی صاحب[1]، جناب حکیم صاحب و دیگر احباب اعزہ و اہل خانہ سے سلام عرض کر دیں۔ محمد رمضان رات کو یہاں ہی تھے۔

والسلام

خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہ

۱۰ر ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ، ۱۳ر ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ، ۱۶ر دسمبر ۱۹۸۶ء

(۲۵۷) برادرم محترم ماسٹر صاحب سلمہ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

① طالب خیر بخیر ہے۔ آپ کی والدہ محترمہ مرحومہ کی وفات کی اطلاع ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں اور جنت الفردوس نصیب ہو۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ۔ والدین کا سایہ رحمت ہوتا ہے۔ لیکن حسب آیت **کل نفس ذائقۃ الموت** یہ فیصلہ سب کے لیے ہے۔ آپ کو جو والدہ مرحومہ کی خدمت کی توفیق ملی ہے حق تعالیٰ قبول فرمائیں۔ آمین سب اہل خانہ کی خدمت میں سلام و تعزیت پیش کر دیں۔

② گلے کا تعویذ یاد نہ رہا اب ارسال کر رہا ہوں۔ مدرسہ حقانیہ ساہیوال کے سالانہ جلسہ کا دعوت نامہ آیا ہے۔ ان شاء اللہ حسب پروگرام حاضر ہو جاؤں گا۔ ان کو جواب ارسال کر دوں گا۔

③ خارجی فتنہ حصہ دوم چھپ چکی ہے۔ جلد سازی باقی ہے قاری شیر محمد صاحب[2] چند نسخے پہلے تیار کر کے لائے تھے۔ بعد ازاں وہ عمرہ پر چلے گئے ہیں۔

---

(۱) حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ مراد ہیں۔

(۲) مولانا مفتی شیر محمد صاحب علوی مراد ہیں۔

حضرت مفتی صاحب، جناب حکیم صاحب جناب جمشید صاحب اور دیگر احباب کی خدمت میں سلام عرض کردیں۔ حافظ صاحب موصوف کا عنایت نامہ بھی آیا تھا۔ جواب نہ دے سکا۔ اسی عریضہ کو جواب سمجھیں اللہ تعالیٰ اہل سنت والجماعت کو ہر محاذ پر کامیابی عطا فرمائیں۔ آمین بجاہ خاتم النبیین ﷺ۔

والسلام

خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہ

۱۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۷ھ، ۱۷/ فروری ۱۹۸۷ء

---

(۲۵۹) برادرم محترم ماسٹر صاحب سلمہ......السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

سلام مسنون۔ آپ نے دیر سے کیسٹ کا بتایا۔ ان دنوں میں ہم سامان باہر بھیج رہے تھے۔ ضروری کیسٹیں بھی ہم نے باہر بھیج دیں ہیں۔ اب ۹ محرم کے بعد ہی مل سکیں گی۔ (۲) پڑوسن کے لیے کلام ارسال ہے روزانہ پڑھتے رہیں خالی جگہ اس کا نام لیں۔ (۳) بدنظر کے لیے روزانہ ایک سو مرتبہ سورۃ الناس پڑھ لیا کریں۔ (۴) معمولات کافی ہیں۔ اسم [illegible]ت کی تعداد بڑھا سکتے ہیں۔

(۵) حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور حضرت مدنی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ تہجد کا وقت نماز عشاء کے بعد شروع ہو جاتا ہے اگر سحری کو نہ اٹھا جاسکے تو سونے سے پہلے تہجد پڑھ لیا کریں (سحری میں فضیلت زیادہ ہے) لیکن تہجد کا ثواب پہلے بھی مل جاتا ہے۔ میں کتابیں نکال رہا ہوں باہر بھیجنے کے لیے۔ آپ کو جانے کی اجازت ہے۔ حضرت مفتی صاحب، حکیم صاحب اور حافظ جمشید صاحب وغیرہ احباب کی خدمت میں سلام مسنون عرض کردیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو اپنی مرضیات کی اتباع کی توفیق دیں اور اہل سنت والجماعت کو ہر محاذ پر کامیابی نصیب ہو۔ آمین۔ بجاہ النبی الکریم ﷺ۔ حضرت مفتی صاحب کی کتاب ''حیات الانبیاء'' کا جو نسخہ محمد سلیم صاحب[1] مطالعہ کے لیے گئے تھے وہ اندر بھجوادیں۔

والسلام

خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہ

یکم محرم ۱۴۰۸ھ، ۲۶/ اگست ۱۹۸۷ء

---

(۲۶۰) برادرم محترم ماسٹر صاحب سلمہ......السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

عنایت نامہ سے حالات معلوم ہوئے طالب خیر بخیر ہے۔ جس ساتھی کے کاروبار کے متعلق آپ نے لکھا تھا۔ ان کے لیے تعویذ ارسال ہے گلے میں باندھیں اور حسب ذیل وظیفہ پڑھتے

---

(۱) غالباً ماسٹر صوفی محمد سلیم صاحب جابھرؒ (چکوال) مراد ہیں۔

رہیں۔ بعد از نماز عشاء بارہ سو مرتبہ یا باسط اور آخر گیارہ گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھ کر دعا کرلیں۔ نیز روزانہ کوئی وقت مقرر کر کے حسبنا اللہ ونعم الوکیل پانچ صد مرتبہ پڑھ کر دعا کریں۔ حق تعالیٰ مشکلات حل فرمائیں۔ آمین بجاہ رحمۃ للعالمین ﷺ۔

(۲) شیعہ ماتمی جلوسوں کی وجہ سے کئی مقامات پر تصادم رونما ہوا ہے۔ جامعہ اسلامیہ (بنوری ٹاؤن) کراچی، کوہاٹ، وغیرہ کے حالات اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں۔ ۱۷ر صفر کو چہلم کے ماتمی جلوس کی بناء پر بھی جھگڑا ہوا۔ چنانچہ اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کے آٹھ آٹھ افراد دفعہ ۳۰۷ وغیرہ کے تحت جیل میں ہیں۔ ۱۲ ربیع الاول کو یہاں رحمت للعالمین کانفرنس کے لیے امید ہے آپ اور دوسرے احباب تشریف لائیں گی۔ تفصیل بھی یہاں کے واقعات کے معلوم ہو جائے گی۔

حضرت قاری صاحب، حکیم صاحب اور حافظ جمشید صاحب اور دیگر احباب و پرسانِ حال حضرات کی خدمت میں سلام مسنون عرض کر دیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو اپنی مرضیات کی اتباع توفیق دیں اور اہل سنت والجماعت کو ہر محاذ پر غلبہ نصیب ہو۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ

والسلام

خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہ

۳۰ر صفر ۱۴۰۸ھ، ۲۴ر اکتوبر ۱۹۸۷ء

---

(۲۶۱) برادرم محترم ماسٹر صاحب سلمہ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

عنایت نامہ وغیرہ تحریرات موصول ہوئیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔ مولانا عبدالعلیم صاحب سلمہ کے حالات سے اطمینان حاصل ہوا۔ اس کم عمری میں یہ خوبیاں نصیب ہیں۔ ماشاء اللہ

بیماری کی وجہ سے جواب نہ دے سکا۔ اور نہ ہی ان کو خط لکھ سکا۔ آپ نے ان کو کون کون سی کتابیں دی ہیں؟ تاکہ باقی کتابیں ان کو بھیجی جائیں۔

حضرت قاری فتح محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تلاوت کی کیسٹیں ۱۶ ہیں لیکن افسوس ہے کہ صاف کیسٹیں کم ہیں۔ ہم نے سنی ہیں تو معلوم ہوا۔ ابھی تمام نہیں سنی گئیں۔ آپ رمضان المبارک کے بعد ہی کیسٹوں کے لیے آئیں۔ تاکہ خود بھی سن سکیں۔ حضرت قاری صاحب، حکیم صاحب، برادرم حافظ محمد جمشید صاحب اور دیگر احباب کرام کی خدمت میں سلام مسنون عرض کر دیں۔ اہل خانہ کو بھی سلام۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی مرضیات کی اتباع کی توفیق دیں اور اہل سنت والجماعت کو ہر محاذ پر غلبہ نصیب ہو۔ آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ

مدرسہ کی سالانہ روئیداد کا مضمون اب مکمل ہو چکا ہے۔ غالباً رمضان مبارک میں چھپ جائے گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

والسلام

خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہ

۱۸؍رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ

---

(۲۶۲) برادرم محترم ماسٹر صاحب سلمہ ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

سلام مسنون۔ جادو آسیب وغیرہ کے لیے تعویذات ارسال ہیں۔ چھوٹے تعویذات سَلَامٌ قَولاً مِنْ رَّبِّ الرَّحِیْمُ والے جدا کرلیں۔ اس عزیز کو بڑا تعویذ چار چار دن والا صبح وشام پلائیں اور چھوٹا تعویذ روزانہ ایک دوپہر کو پلائیں۔

دونوں تعویذ اکٹھے بند کر کے بچوں کے گلے میں بھی ڈال سکتے ہیں اور کمرے میں بھی لٹکا سکتے ہیں۔ واللہ الشافی ...... یا بدیع العجائب کا وظیفہ حل مشکلات کے لیے باذن اللہ موثر ہے۔ مجھے یاد نہیں رہا کہ بھانجیوں کے رشتہ کے سلسلے میں کیا تعویذ مانگا تھا؟ پھر دوبارہ خط سے وضاحت کردیں۔ اخبارات تو اور بھی رکھے ہیں اگر آپ لے جاسکیں تو لے جائیں۔ ایک مضمون وغیرہ جس اخبار میں زیادہ ہو اس کا تراشہ رکھ لیں۔ باقی اخبارات کا حوالہ دے دیں ادارئیے جدا جمع کرلیں۔ اخبارات ارسال ہیں ان میں سے ضروری اخبارات لے جائیں باقی پھر اندر بھیج دیں[1]۔ جزاکم اللہ تعالیٰ

تمام حضرات و احباب کی خدمت میں سلام مسنون۔ حق تعالیٰ آپ کو اور ہم سب کو اپنی مرضیات کی توفیق دے اور اہل سنت والجماعت کو ہر محاذ پر غلبہ نصیب ہو آمین۔ بجاہ النبی الکریم ﷺ

والسلام

خادم اہل سنت مظہر حسین غفرلہ

۸؍اکتوبر ۱۹۸۸ھ

---

(۱) بعض اوقات ملاقاتیوں سے قائد اہل سنتؒ بذریعہ رقعہ احوال کا تبادلہ کرلیا کرتے تھے۔ یعنی بوجہ مصروفیت واشغال گھر سے باہر تشریف نہ لائے تھے۔ اسی طرح دفتر میں موجود ناظم صاحب کو بھی رقعوں کی مدد سے کوئی حکم فرمادیتے، چنانچہ اس قسم کے رُقعات حافظ عبدالوحید صاحب حنفی کے پاس کم وبیش دو ہزار کے لگ بھگ محفوظ ہیں، جو سوانح قائد اہل سنت ''مظہر کرم'' کی جلد ثانی میں پیش کیے جاسکیں گے، ان شاء اللہ، متذکرہ خط بھی اسی نوعیت کا ہے۔ سلفی

خلافتِ راشدہ سے کیا مراد ہے؟

مورخ اسلام مولانا محمد اسماعیل ریحان صاحب مدظلہ

خلافتِ راشدہ سے مراد، وہ مثالی دورِ حکومت ہے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مسند نشینی سے لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور تک رہا۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی حکومت کے چھ ماہ تتمے کے طور پر خلافتِ علویہ ہی کا حصہ سمجھے جاتے ہیں۔ ربیع الاول ۱۱ھ سے لے کر ربیع الاول ۴۱ھ تک یہ پورے تیس سال بنتے ہیں۔ اسی کو خلافتِ راشدہ کہا جاتا ہے اس بارے میں ایک صحیح حدیث موجود ہے۔

اَلْخِلَافَةُ فِی اُمَّتِی ثَلَاثُونَ سَنَةً، ثُمَّ مُلْكٌ بَعْدَ ذَالِكَ۔

''میرے بعد خلافت تیس سال تک رہے گی، اس کے بعد بادشاہت ہوگی۔''(۱)

جمہور مسلمین کا عقیدہ ہے کہ یہی تیس سال خلافتِ راشدہ کے ہیں۔ ''العقیدہ الطحاویۃ'' میں ہے:

''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل اور ساری اُمت پر فائق مانتے ہوئے، خلافت کو سب سے پہلے انہی کے لیے ثابت کہتے ہیں۔ پھر عمر بن الخطاب، پھر عثمان، پھر علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم کے لیے مانتے ہیں۔ یہی خلفائے راشدین اور ائمہ ہدایت ہیں۔''(۲)

اس دور کو خلافتِ راشدہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ مکمل طور پر اسلامی سیاست اور نبوی طرزِ حکومت کا نمونہ ہے۔ اس دور میں اُمت کی قیادت ان افضل ترین صحابہ کرام کے ہاتھ میں تھی جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا طویل زمانہ پایا۔ یہ حضرات اس ابتدائی زمانے میں اسلام لائے جب سخت ترین قربانیاں اور آزمائشیں ہر پل درپیش تھیں۔ انہوں نے اسلام کی خاطر ہجرت کی اور ہر قدم پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر جیئے۔ اسلام کی تاسیس، تبلیغ واشاعت اور استحکام میں ان حضرات کا بنیادی حصہ ہے۔ یہی چاروں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے مقرب ومحبوب اور تمام صحابہ سے افضل ہیں۔ اسی لیے نطقِ رسالت سے ان کی پیروی کا تاکیدی حکم جاری ہوا۔ فرمانِ نبوی ہے:

---

۱) سنن الترمذی: ۲۲۲۶، باب ماجاء فی الخلافة، قال الالبانی صحیح۔

۲) العقیدة الطحاویة، ص ۸۱، ط المکتب الاسلامی بیروت۔

''میری سنت پر چلو اور خلفائے راشدین کی جو ہدایت یافتہ ہیں اور ان کے طریقے کو دانتوں سے مضبوط پکڑلو۔''(۱)

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ کے اس حصے کو بعد کے دور سے ممتاز رکھا جاتا ہے، اگرچہ بعد میں بھی عادل خلفاء اور نیک سلاطین آتے رہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ''ازالۃ الخفاء'' میں خلافتِ راشدہ کے بارے میں بڑی مفصل اور دقیق بحث کی ہے جس کا خلاصہ راقم عام فہم الفاظ میں پیش کرتا ہے۔

① خلیفۂ راشد میں خلافت کی عام شرطوں کے علاوہ ایک شرط یہ بھی ہے کہ اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصائل اور افعال میں خاص مشابہت ہو یعنی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا نمونہ اور عکس ہو۔ فقط بعض صفات میں مشابہ ہونا کافی نہیں کیوں کہ کچھ نہ کچھ مشابہت تو ہر مسلمان کو ہوتی ہے مثلاً پنج وقتہ نماز پڑھنا، تلاوتِ قرآن کرنا۔ ایسی کامل مشابہت انہی حضرات کو حاصل ہوسکتی ہے جو اُمت کے اعلیٰ ترین طبقے سے ہوں، نہ کہ درمیانے یا ادنیٰ طبقے سے۔

② نبی کا خلیفہ، نبی یا رسول نہیں ہوتا مگر نبی کی صفات کا نمونہ اور عکس ہوتا ہے، پس خلیفۂ راشد وہ ہے جو عقلی اور عملی قوتوں میں پیغمبر کی عقلی اور عملی قوت کے مشابہ اور ہم رنگ ہو۔ جن مقاصد کے لیے پیغمبر کی بعثت ہوئی ہے، ان کی تکمیل اس خلیفہ کے ہاتھ پر ہو۔ یعنی نبی اور رسول جس کام کی بنیاد رکھ گئے ہوں، اللہ تعالیٰ اپنی خاص تائید کے ذریعے ان کاموں کو اس نبی کے خلیفۂ خاص کے ہاتھ پر پورا فرما دیتے ہیں۔ لہٰذا جو خلیفہ، پیغمبر کے باقی ماندہ امور کو علمی اور عملی طور پر تکمیل تک پہنچاتا ہے، وہ اس کا خاص خلیفہ اور خلیفۂ راشد ہے۔

③ تعلیم کتاب وحکمت کے مراحل تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں طے ہوگئے تھے مگر کچھ مراحل باقی تھے۔ مشیتِ الٰہیہ یہ تھی کہ ان کی تکمیل خلفائے راشدین کے ہاتھوں ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ نے اس کے لیے درج ذیل مثالیں دی ہیں:

- دورِ صدیقی میں قرآن مجید کا مصحف کی شکل میں جمع کیا جانا۔
- احکام کی احادیث کی تحقیق واشاعت۔
- روایتِ حدیث میں حزم واحتیاط کی پابندی کرانا۔
- بہت سے مختلف فیہ فقہی مسائل کو مشورے اور اتفاقِ رائے سے طے کر کے اجماع کی بنیاد رکھنا۔
- غیر منصوص مسائل میں اجتہاد کا طریقہ جاری کرنا۔

---

۱) علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء راشدین المھدیین وعضوا علیھا بالنواجذ (سنن ابی داؤد، ح] ۴۶۰۷، کتاب السنۃ، باب فی الزوم السنۃ) واخرجہ الترمذی فی سننہ، ح] ۲۶۷۶، وقال: حسن صحیح، وصححہ الالبانی۔

✧ ان فتوحات کی تکمیل جن کی بشارت لسانِ نبوت سے دی گئی تھی۔

④ خلیفۂ راشد کو پیغمبر سے وہی نسبت ہے جو اعضاء کو دل و دماغ سے۔ حکم دل و دماغ سے جاری ہوتا ہے اور اعضاء اسے بجالاتے ہیں۔ اسی طرح خلافتِ راشدہ میں بھی فرمانروائی، پیغمبر کی ہوتی ہے۔ دورِ نبوت اور دورِ خلافت راشدہ میں بس اتنا فرق ہے کہ پہلے پیغمبر اپنی زبانِ مبارک سے حکم دیا کرتے تھے۔ اب لسانِ نوبت خاموش ہے مگر خلفائے راشدین منشاءِ نبوت کو سمجھ کر پیغمبر کے اعضاء کی مانند متحرک ہیں۔ اسی لیے خلفائے راشدین کے اقوال اور افعال کے حجتِ شرعیہ ہونے پر پوری امتِ مسلمہ کا اتفاق ہے۔ جس نے ان حضرات کو سمجھنے میں غلطی کی، وہ اس کی سمجھ کا قصور ہے (۱)۔

خلافتِ راشدہ کے متعلق اسلامی عقیدہ

جمہور مسلمین کا متفقہ اور اجماعی عقیدہ ہے کہ خلافتِ راشدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تک تھی، جب کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حکومت کے پانچ مہینے دورِ علوی ہی کا تتمہ تھے۔ ان کے بعد کا دور، خلافتِ راشدہ میں شامل نہیں۔ یہ کوئی تاریخ بحث نہیں، عقیدے کا مسئلہ ہے، اسی لیے اس بحث کو کتبِ عقائد میں درج کیا گیا ہے۔ (۱)

---

۱) شاہ صاحب نوراللہ مرقدہ کا مفصل کلام ان کی شہرہ آفاق تصنیف ''ازالۃ الخفاء'' میں ملاحظہ کریں۔

۱) اسلاف نے خلافتِ راشدہ کے خلفائے اربعہ میں محدود ہونے پر جو کچھ لکھا ہے، اس میں سے بطورِ نمونہ کتب عقائد کا نام درج کیا جا رہا ہے۔ ((۱)الفقہ الاکبر، ص ٤١، (٢)العقيدة ، احمد بن حنبل برواية كلال، ص ٢٣، (٣)نقله الامام السيوطى فى حقيقة السنة والبدعة، ص ٢٠٩، (٤)شرح السنة، ص ١٦، (٥)العقيدة الطحاوية، ص ٨١، (٦)الابانة فى اصول الديانة، ابوالحسن الاشعرى، ص ٢٥٩، (٧)العقيدة الواسطية، ص ١١٨، ط اضواء السلف، (٨)منهاج السنة، ٤، ٥٢٢، (٩)تمهيد الاوائل، ص ١٨٥، (٩)لمع الادلة فى قواعد اعتقاد اهل السنة، ص ١٣٠، (١٠) الاقتصاد في الاعتقاد، ص ١٣٢، (١١)متن عقائد النسفى، ص ٤، (١٢) شرح العقائد النسفية، ص ٣٤٨، عمدة القارى: ١١٣/١، الصواعق المحرقة لابن حجر هيثمى :٦٢٩/٢، تاريخ ابن خلدون: ٦٥٠/٢۔

بعض حضرات خلافتِ راشدہ اور عہد کی حکومتوں کا موازنہ اس اعتبار سے کرتے ہیں کہ تعمیری اور ترقیاتی کام کس دور میں زیادہ ہوئے اور زیادہ ممالک کس خلیفہ یا بادشاہ نے فتح کیے۔ حالانکہ مثالی حکمرانی کے لیے ان چیزوں کو اوّلین معیار بنانا درست نہیں ہے۔ اگر کوئی اس نقطۂ نگاہ سے دیکھے تو سلطان محمود غزنوی کا دور حضرت ابوبکر صدیق t کے دور سے بہتر قرار پائے گا کیوں کہ مملکت کی حدودِ اربعہ اور زمینی فتوحات کی پیمائش میں سلطان محمود غزنوی کی فوقیت بالکل ظاہر ہے۔ اسلامی تعلیمات پر نگاہ رکھنے والا اور فرقِ مراتب کے آداب سے واقف کوئی بھی شخص ایسا کبھی نہیں سوچ سکتا۔

خلافتِ راشدہ کی وجوہِ فضیلت

خلافتِ راشدہ کی اصل وجوہِ فضیلت چار چیزیں تھیں: ① خلفائے راشدین حضور ﷺ سے قرب اور نطقِ رسالت سے ظاہر ہونے والے مناقب میں ممتاز ترین تھے۔ ② انہیں سبقت فی الاسلام، ہجرت اور دین کی خاطر قربانیوں کے لحاظ سے سب پر فضیلت حاصل تھی۔ ③ فقہ و اجتہاد میں بھی یہ خلفاء باقی اُمت سے فائق تھے۔ ④ ان کے دورِ اقتدار میں نظامِ سیاست پوری طرح اسلامی شورائیت پر استوار تھا اور وہ تمام خصوصیات اعلیٰ ترین پیمانے پر موجود تھیں، جو ایک بہترین اور قابلِ رشک اسلامی حکومت میں مطلوب ہیں۔

بلاشبہ خلفائے راشدین کی صفاتِ حسنہ ایک حد تک بعض اموی و عباسی خلفاء میں بھی موجود تھیں مگر بعد کی اسلامی خلافتوں کا طرزِ سیاست اس لحاظ سے خلافتِ راشدہ سے مختلف تھا کہ ان میں شخصی اور خاندانی نظام ایک امر لازم تھا۔ اس طرزِ عمل نے خلافتِ راشدہ کو خلافتِ عامہ اور ملوکیت سے الگ کر کے ایک حدِ فاصل قائم کر دی اور صحیح حدیث ''الخلافة ثلاثون سنة'' نے اس پر مہرِ توثیق ثبت کر دی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ارشاد:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں:

''حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خلافت میرے بعد تیس سال تک رہے گی۔ چنانچہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد بلا فصل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور دو سال چار ماہ خلافت کی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور دس سال چھ ماہ خلافت کی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور بارہ سال سے چند روز کم خلافت کی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور چار سال نو ماہ خلافت کی۔ پھر امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور پانچ ماہ خلافت کی۔ اس حساب سے خلفائے اربعہ کی مدت خلافت انتیس (۲۹) سال سات (۷) ماہ ہوئی اور امام حسن رضی اللہ عنہ کی (۵) ماہ خلافت سے تیس سال پورے ہوگئے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ صلح ۱۵ جمادی الاولیٰ ۴۱ ہجری میں وقوع پذیر ہوئی جس سے خلافتِ راشدہ کی مدت تیس سال پوری ہوگئی اور اس کے بعد امارت اور حکومت یعنی سلطنت اور بادشاہت شروع ہوئی۔'' (تلخیص از ''ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء'' ۲/۲۵۲ تا ۲۵۴)

ام المؤمنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

مولانا عبدالصمد ساجد (مدرس جامعہ حقانیہ، ساہیوال سرگودھا)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک بیویوں امت کی ماؤں میں اولین سعادت مند خاتون سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔

نام ونسب : آپ رضی اللہ عنہا کا اسم گرامی خدیجہ، کنیت اُمّ ہند ، اِن کا لقب اسلام سے پہلے ہی اپنے پاکیزہ اخلاق کی بنا پر طاہرہ تھا، اِسی وجہ سے اِن کی اولاد جو دوسرے خاوندوں سے ہے، وہ بھی بنُو الطّاہِرَۃ کہلاتی ہے، سلسلہ نسب یہ ہے : خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزّیٰ بن قصی، قصی پر پہنچ کر ان کا خاندان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے مل جاتا ہے۔ والدہ کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا۔

تجارت : والد اور شوہر کی وفات کے بعد حضرت خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا کو ذریعہ معاش اور اس کی نگرانی کے حوالے سے سخت دقت واقع ہوئی، تاہم اپنے اعزّہ کو معاوضہ دے کر مال تجارت بھیجتی تھیں۔ ایک مرتبہ مال کی روانگی کا وقت آیا تو جناب ابو طالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تم کو خدیجہ سے جا کر ملنا چاہیے، ان کا مال شام جائے گا، بہتر ہوتا کہ تم بھی ساتھ جاتے۔ میرے پاس روپیہ نہیں ورنہ میں خود تمہارے ساتھ سرمایہ مہیا کر دیتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت امین کے لقب سے تمام مکہ میں تھی اور آپ کے حسنِ معاملت، راست بازی، امانت، صدق وصفا اور پاکیزہ اخلاق کا خوب چرچا اور شہرہ تھا۔ حضرت خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا کو اس گفتگو کی خبر ملی تو فوراً پیغام بھیجا کہ آپ میرا مالِ تجارت لے کر شام کو جائیں جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں آپ کو اس سے دوگنا دوں گی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا اور مالِ تجارت لے کر حضرت خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا کے غلام میسرہ کے ہمراہ شام کے علاقہ بُصریٰ تشریف لے گئے، اس سال کا نفع سالہائے گزشتہ کے نفع سے دوگنا ہوا۔

نکاح : حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی سب سے اوّل تجویز وَرَقَہ بن نوفل سے ہوئی تھی؛ مگر نکاح کی نوبت نہیں آئی، اِس کے بعد دو شخصوں سے نکاح ہوا۔ ابوہالہ بن نباش تمیمی اور عتیق بن عابد مخزومی۔

حضرت خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا کی دولت وثروت اور شریفانہ اخلاق نے تمام قریش کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا اور ہر شخص ان سے نکاح کا خواہاں تھا، لیکن کارکنانِ قضا وقدر کی نگاہِ انتخاب کسی اور پر پڑ چکی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مال تجارت لے کر شام سے واپس آئے تو حضرت خدیجہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا نے

شادی کا پیغام بھیجا۔ خلاصۂ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا اور شادی کی تاریخ مقرر ہوگئی۔ تاریخ معین پر ابو طالب اور تمام روسائے خاندان جن میں حضرت حمزہ رَضِیَ اللہُ عَنۡہُ بھی تھے، حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ عَنۡہَا کے مکان پر آئے، حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ عَنۡہَا نے بھی اپنے خاندان کے چند بزرگوں کو جمع کیا تھا۔ ابو طالب نے خطبہ نکاح پڑھا۔ عمرو بن اسد کے مشورہ سے ۵۰۰ طلائی درہم مہر قرار پایا اور حضرت خدیجہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ عَنۡہَا حرمِ نبوّت ہو کر اُمّ المومنین کے شرف سے ممتاز ہوئیں۔ یہ بعثتِ نبوی سے پندرہ سال قبل کا واقعہ ہے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پچیس سال کے تھے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کی عمر چالیس برس کی تھی۔

اسلام : پندرہ برس کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر ہوئے اور فرائضِ نبوّت کو ادا کرنا چاہا تو سب سے پہلے حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ عَنۡہَا کو یہ پیغام سنایا، وہ سننے سے پہلے مومن تھیں، کیونکہ ان سے زیادہ آپ کے صدقِ دعویٰ کا کوئی شخص فیصلہ نہیں کرسکتا تھا، اس وقت تک نماز پنجگانہ فرض نہ تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نوافل پڑھا کرتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ بھی آپ کے ساتھ نوافل میں شرکت کرتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خدیجہ رَضِیَ اللہُ عَنۡہَا ایک عرصہ تک خفیہ طور پر نماز پڑھتے رہے۔ (طبقات ابن سعد، ج ۸، ص ۱۷، دار صادر، بیروت)

معاونت وغمگساری

حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ عَنۡہَا نے صرف نبوّت کی تصدیق ہی نہیں کی بلکہ آغازِ اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی معین و مددگار ثابت ہوئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو چند سال تک کفارِ مکہ اذیت دیتے ہوئے ہچکچاتے تھے، اس میں بڑی حد تک حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ عَنۡہَا کا اثر کام کررہا تھا، اوپر گزر چکا ہے کہ آغازِ نبوّت میں جب آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ مجھ کو ڈر ہے تو انہوں نے کہا: آپ متردّد نہ ہوں، خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا دعوتِ اسلام کے سلسلے میں جب مشرکین نے آپ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں، تو حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ عَنۡہَا نے آپ کو تسلی اور تشفی دی۔ آنحضرت رَضِیَ اللہُ عَنۡہَا کو مشرکین کی تردید یا تکذیب سے جو کچھ صدمہ بھی پہنچتا، حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ عَنۡہَا کے پاس آکر دور ہوجاتا تھا کیونکہ وہ آپ کی باتوں کی تصدیق کرتی تھیں اور مشرکین کے معاملہ کو آپ کے سامنے ہلکا کرکے پیش کرتی تھیں۔ (الاستیعاب لابن عبدالبر، ج ۴، ص ۱۸۲۰، دار الجیل، بیروت)

سن ۷ نبوی میں جب قریش نے اسلام کے تباہ کرنے کا فیصلہ کیا تو یہ تدبیر سوچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاندان کو ایک گھاٹی میں محصور کیا جائے، چنانچہ ابو طالب مجبور ہو کر تمام خاندانِ

ہاشم کے ساتھ شعب ابی طالب میں پناہ گزین ہوئے، حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ عَنہَا بھی ساتھ آئیں۔ تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار میں بسر کی، یہ زمانہ ایسا سخت گزرا کہ طلح کے پتے کھا کھا کر رہتے تھے، تاہم اس زمانہ میں بھی حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ عَنہَا کے اثر سے کبھی کبھی کھانا پہنچ جاتا تھا۔

مناقب و خصائص: ازواجِ مطہرات میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بعض خصوصیات حاصل ہیں، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی ہیں، وہ جب عقدِ نکاح میں آئیں تو انکی عمر چالیس برس تھی، حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اِن سے بے حد محبت تھی، اور اِن کی زندگی میں کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ حضرت ابراہیمؑ کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد ان ہی سے پیدا ہوئی۔

اُمّ المومنین حضرت خدیجہ طاہرہ رَضِیَ اللہُ عَنہَا کی عظمت وفضیلت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نبوت کی صدا بلند کی تو سب سے پہلے ان ہی نے اس پر لبیک کہا۔ حضرت خُدیجہ رَضِیَ اللہُ عَنہَا وہ مقدّس خاتون ہیں جنہوں نے نبوّت سے پہلے بت پرستی چھوڑ دی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کو ان کی ذات سے جو تقویت تھی وہ سیرتِ نبوی کے ایک ایک صفحہ سے نمایاں ہے۔ ابن ہشام میں ہے: وَكَانَتْ لَهُ وَزِيرَ صِدْقٍ عَلَى الْإِسْلَامِ کہ وہ اسلام کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی مشیرِ کار تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو جو محبت تھی وہ اس سے ظاہر ہے کہ باوجود اس تموّل اور اس دولت وثروت کے جو ان کو حاصل تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت خود کرتی تھیں، چنانچہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ خدیجہ رَضِیَ اللہُ عَنہَا برتن میں کچھ لا رہی ہیں، آپ ان کو خدا کا اور میرا اسلام پہنچا دیجیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ عَنہَا سے بے انتہا محبت تھی آپ نے ان کی زندگی تک دوسری شادی نہیں کی، ان کی وفات کے بعد آپ کا معمول تھا کہ جب گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کی سہیلیوں کے پاس گوشت بھجواتے تھے۔ حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ عَنہَا کہتی ہیں کہ گو میں نے خدیجہ رَضِیَ اللہُ عَنہَا کو نہیں دیکھا، لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا، جس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے، ایک دفعہ میں نے اس پر آپ کو رنجیدہ کیا، لیکن آپ نے فرمایا کہ خدا نے مجھ کو ان کی محبت دی ہے۔ ایک دفعہ حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ عَنہَا کے انتقال کے بعد ان کی بہن ہالہ رَضِیَ اللہُ عَنہَا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئیں اور اندر آنے کی اجازت مانگی ان کی آواز حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ عَنہَا سے ملتی تھی، آپ کے کانوں میں آواز پڑی تو حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ عَنہَا یاد آگئیں اور آپ جھجک اُٹھے اور فرمایا کہ ہالہ ہوں گی۔ حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ عَنہَا بھی موجود تھیں، ان کو نہایت رشک ہوا، بولیں کہ کیا آپ ایک بڑھیا کو یاد

کیا کرتے ہیں جو مرچکیں اور خدا نے ان سے اچھی بیویاں آپ کو دی ہیں؟ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہرگز نہیں۔ جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی، جب لوگ کافر تھے وہ اسلام لائیں، جب میرا کوئی معین نہ تھا تو انہوں نے میری مدد کی اور میری اولاد ان ہی سے ہوئی۔ (الاستیعاب)

صحیح بخاری و مسلم میں ہے خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ۔ عالم میں افضل ترین عورت مریم اور خدیجہ ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے خدیجہ آئیں تو فرمایا بَشِّرْهَا بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبَ فِيهِ وَلَا نَصَبَ۔ ان کو جنت میں ایک گھر کی بشارت سنا دیجیے جو موتی کا ہوگا، جس میں شور وغل اور محنت مشقت نہ ہوگی۔

اولاد: ابوہالہ سے جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر تھے دو لڑکے پیدا ہوئے جن کے نام ہالہ اور ہند تھے۔ دوسرے شوہر عتیق سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام بھی ہند تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چھ بچے ہوئے۔ دو صاحبزادے جو بچپن میں انتقال کر گئے اور چار صاحبزادیاں۔ نام حسب ذیل ہیں: (۱) حضرت قاسم آنحضرت ﷺ کے سب سے بڑے لڑکے تھے ان ہی کے نام پر آپ ابوالقاسم کنیت کرتے تھے۔ صغر سنی میں مکہ میں انتقال کیا۔ اس وقت پیروں چلنے لگے تھے۔ (۲) حضرت زینب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سب سے بڑی تھیں۔ (۳) حضرت عبداللہ، انہوں نے بہت کم عمر پائی۔ چونکہ زمانہ نبوت میں پیدا ہوئے تھے اس لیے طیب اور طاہر کے لقب سے مشہور ہوئے۔ (۴) حضرت رقیہ (۵) حضرت ام کلثوم (۶) حضرت فاطمۃ الزہراء۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنہن اجمعین)

وفات: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نکاح کے بعد پچیس برس تک زندہ رہیں اور ۱۱ رمضان ۱۰ نبوی (ہجرت سے تین سال قبل) انتقال کیا۔ اس وقت انکی عمر ۶۴ سال ۶ ماہ کی تھی۔ ان کے انتقال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قبر مبارک میں اتر کر ان کو دفن فرمایا تھا۔ نماز جنازہ اُس وقت تک شروع نہیں ہوئی تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قبر حجون میں ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات سے تاریخ اسلام میں ایک جدید دور شروع ہوا۔ یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سال کو عام الحزن (سال غم) فرمایا کرتے تھے کیونکہ ان کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کسی شخص کا پاس نہیں رہ گیا تھا اور اب وہ نہایت بے رحمی اور بے باکی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستاتے تھے۔ اسی زمانہ میں آپ اہل مکہ سے ناامید ہو کر طائف تشریف لے گئے تھے۔ (ماخذ: سیر صحابیات)

یکم مارچ 2020ء بروز اتوار ان شاء اللہ

بمقام جامعہ امدادیہ پنڈی روڈ چکوال

استاذ العلماء شیخ الحدیث
پیر طریقت
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اسومروی
خلیفہ مجاز قائد اہلسنت

جامعہ عربیہ اظہار العلوم چکوال
0543-542717
0543-543444

ماہنامہ حق چاریار لاہور رجسٹرڈ نمبر CPL26